شاہنامہ
کی
کہانیاں

آصف نعیم صدیقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

شاہ نامہ کی کہانیاں

آصف نعیم صدیقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ـ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1984
تیسری طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/15 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	452

Shahnama ki Kahaniyan

by

Asif Naeem Siddiqui

ISBN :978-81-7587-364-3

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

انتساب

شمس الرحمٰن فاروقی کے نام
جن کی تربیت نے مجھے آصف نعیم بنایا

فہرست

پیش لفظ

مقدمہ 7

1 داستانِ ضحاک 13

2 داستان رستم و سہراب 20

3 داستان ہفت خوان رستم 41

4 ہفت خوان اسفندیار 63

5 گشتاسپ کی بادشاہی 71

6 اسفندیار کی موت 81

مقدمہ

فردوسی کا نام منصور بن حسن اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ زیادہ تر لوگ اسے ابوالقاسم کے ہی نام سے جانتے ہیں۔ فردوسی غزنوی دور میں ۳۲۹ھ جو ۹۲۰ء یا ۳۳۰ھ (۹۲۱ء) میں صوبہ طوس میں طاہران کے قریب باژ کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ فردوسی کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اسے اپنے وطن میں ہر طرح کا عیش و آرام میسّر تھا۔ لیکن عمر کے آخری دنوں میں یہ خوشحالی اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس نے اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ شاہنامہ کے ماخذ کی فراہمی اور اس کی تیاری میں لگا دیا تھا۔

شاہنامہ کی ابتدا

شاہنامہ کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ شاہنامہ کی سب سے پہلی کہانی "داستان بیژن و منیژہ" ہے اور شاہنامہ کی ابتدا کا سبب وہ کہانی ہے جو فردوسی نے داستان کے شروع میں مقدمہ کی صورت میں پیش کی ہے۔ ایک رات اس کو نیند نہیں آ رہی تھی جب اس کی الجھن حد سے بڑھ گئی تو اس نے ایک "مہربان"[1] کو

[1] مراد غالباً بیوی سے ہے۔

آواز دی کہ شراب اور شمع لے کر آؤ وہ شمع اور شراب لے کر آگئی پھر اس نے دقیقی کو داستان بیژن ومنیژہ سنائی اور کہا کہ تم اب اس کو نظم کر ڈالو۔ فردوسی اس داستان سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے فوڑا اسے نظم کرنا شروع کر دیا۔ جب یہ مکمل ہوئی تو لوگوں نے اس کی اتنی تعریف کی کہ اس نے اور داستانیں بھی نظم کر ڈالیں۔ لیکن ابھی اس نے ایران قدیم کی تاریخ کو مکمل شاہنامہ کی صورت میں نظم کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ یہ کام ایک اور شاعر دقیقی انجام دے رہا تھا دقیقی کا کام ادھورا ہی تھا کہ سنہ ۳۶۹ھ (سنہ ۹۷۹ء) میں اسے کسی نے قتل کر دیا۔ دقیقی کے قتل کے بعد بعض دوستوں کے کہنے پر فردوسی نے ایران قدیم کی تاریخ کو مکمل اور مرتب صورت میں نظم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے بعض کتابوں اور سنے سنائے قصوں اور کہانیوں پر پرانی نظموں وغیرہ سے مدد لی اور بہت سارا مواد اکٹھا کیا۔ اس نے سنہ ۳۷۰ھ (سنہ ۹۸۰ء) میں اپنے اس کام کو باقاعدہ طور پر شروع کر دیا۔ شاہنامہ کی ابتدا کے سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ایران قدیم کی تاریخ نظم کرانا چاہتا تھا۔ اور اسے کسی ایسے باکمال شاعر کی تلاش تھی جو یہ کام انجام دے سکے فردوسی ان دنوں غزنی آیا ہوا تھا اس کی دربار تک رسائی ہوئی سلطان محمود فردوسی سے متاثر ہوا اور اس نے فردوسی کو یہ کام سونپ دیا اور وعدہ کیا کہ ہر شعر کے بدلے میں ایک دینار زر عطا کرے گا۔ لیکن تاریخی طور پر ان واقعات کی تصدیق نہیں ہوئی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ فردوسی نے تو سلطان محمود کی تخت نشینی کے بہت پہلے ہی شاہنامہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

شاہنامہ کا اختتام اور سلطان کی ہجو

تیس سال کی محنت کے بعد سنہ ۴۰۰ھ (سنہ ۱۰۱۰ء) میں فردوسی نے شاہنامہ مکمل

کرڈالا ابھی وہ شاہنامہ مکمل کر ہی رہا تھا کہ ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں سلطان محمود تخت نشین ہوا ادھر فردوسی کو کسی ایسے نمایاں شخص کی تلاش تھی جس کے نام وہ اس عظیم کارنامہ کو معنون کرسکے۔ اس کے لیے سلطان محمود سے زیادہ اور کون موزوں ہو سکتا تھا؛ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ وہ اپنے اس کارنامے کو سلطان ہی کی خدمت میں پیش کرے گا۔ اسی لیے اس نے شاہنامہ کے ان حصوں میں جو سلطان محمود کے بادشاہ بننے کے بعد نظم کیے تھے (اور دیگر مقامات پر بھی نظرثانی کرتے وقت جہاں جہاں مناسب سمجھا) سلطان کی شان میں اشعار بھی شامل کر دیے اس نے بعض اشعار میں بادشاہ کو مخاطب کرکے اپنی بے کسی اور بے نوائی کا بھی ذکر کیا اور بادشاہ سے یہ گذارش کی کہ وہ اس کے حال پر رحم کی نظر ڈالے۔ ۳۹۵ھ (۱۰۰۶ء) میں وہ فضل بن احمد یا نصر بن ناصرالدین سبکتگین کی مدد سے دربار میں حاضر بھی ہوا۔

۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) میں جب شاہنامہ مکمل ہو گیا تو اس نے اسے بادشاہ کے سامنے دربار میں پیش کیا لیکن اسے فردوسی کی بدقسمتی سمجھیے کہ اب فضل بن احمد اپنے عہدے پر نہ تھا۔ فضل بن احمد کے بعد دربار میں فردوسی کا کوئی اور حامی نہ تھا جو سلطان سے شاعر کی وکالت کرتا۔ چنانچہ بے چارے فردوسی کو دربار سے مایوسی ہوئی اور سلطان محمود نے اس کے اس کارنامے پر کوئی توجہ نہ کی۔ ابھی اس بات کی چھان بین کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا فردوسی نے غصے اور بد دلی میں سلطان محمود کی ہجو لکھ ڈالی تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ہجو لکھی تھی اور نہ یہ کہ ہجو نہیں لکھی لیکن یہ ضرور طے ہو چکا ہے کہ ہجو جو عام طور پر شاہنامے میں ملتی ہے وہ یقیناً گھڑی ہوئی ہو جس میں گھڑنے والوں نے اپنے مقصد کے اشعار شاہنامہ کے مختلف حصوں سے لے لیے ہیں۔ اور کڑی ملانے کے لیے بیچ بیچ

میں حسبِ ضرورت شعر بھی شامل کر دیے ہیں۔

فردوسی کی وفات

بعض محققین فردوسی کا سالِ وفات ۴۱۶ھ (۱۰۲۵ء) بتاتے ہیں بعض نے ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) لکھا ہے۔ ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) کو ہی زیادہ صحیح سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ فردوسی نے شاہنامہ میں اپنی عمر کی طرف جو آخری اشارہ کیا ہے اس میں اپنی عمر ۸۰ سال بتائی ہے۔ اور چونکہ وہ ۳۳۰ھ (۹۴۱ء) میں پیدا ہوا تھا اور اس سن سے جو نزدیک ترین سال برآمد ہوتا ہے وہ ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) ہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فردوسی کے وارثوں میں اس کی ایک بیٹی تھی لیکن شاہنامہ میں فردوسی اپنی اس بیٹی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا البتہ ایک جواں سال بیٹے کی موت کا ذکر ضرور کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایک لڑکا بھی تھا جو جوانی میں ہی مر گیا تھا۔

شاہنامہ کی تاریخی و ادبی اہمیت[1]

تاریخ کے اعتبار سے شاہنامہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا دور (کیومرث سے لے کر رستم کی موت تک) یہ حصہ زیادہ تر آتش پرستوں کی مذہبی کتاب اوستا سے

---

[1] اس دور کی بہت سی داستانیں یورپ بالخصوص یونان کی داستانوں سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی ہیں مثلاً زال کا ایک سیمرغ کے ذریعے سے پل کر جوان ہونا پارس پر پریاموس یونانی کی داستان سے مشابہ، اسفندیار کے روئیں تن ہونے کی داستان جرمنی سگفرید اور یونانی اکیلیس کی داستان سے مشابہ ہے اسی طرح ہفت خوانِ رستم کی داستان ہرکل یونانی کی سات خوانوں کی داستان سے مشابہ ہے۔

سے ماخوذ ہے۔

دوسرا دور (بہمن کے زمانہ سے۔ بر کر ساسانیوں کے آغاز تک)

یہ حصہ اگرچہ تاریخی بنیادوں پر قایم ہے۔ لیکن پھر بھی داستانوں میں افسانویت غالب ہے

تیسرا دور (ساسانیوں کی تاریخ)

یہ حصہ جو ساسانیوں کی تاریخ سے متعلق ہے۔ بلاشبہ تاریخ ہے۔ اور اس میں افسانوی عنصر بہت کم ہے۔

شاہنامہ اگر چہ قدیم اور ایران کی داستان ہے لیکن فردوسی کا کمال یہ ہے کہ وہ جا بجا فلسفۂ آفرینش، زندگی کی ناپائیداری اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ فلسفیانہ موضوعات پر بھی خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ان سب مسائل کے ذکر میں وہ اپنے بیان کو فلسفیانہ اصطلاحوں سے بوجھل نہیں بناتا بلکہ سادگی سے مختصر لفظوں میں ان مسائل کو بڑی خوبی سے واضح کر دیتا ہے۔ اختصار۔ سادگی۔ ایجاز۔ الفاظ کا برمحل و مناسب استعمال یہی شاہنامہ کی امتیازی خصوصیات ہیں، فردوسی اس فن میں یکتا ہے کہ کس لفظ کو کہاں اور کس طرح استعمال کرنا چاہیے اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہنامہ دنیا کی عظیم ترین نظموں میں سے ایک ہے مشرق اور مغرب کے عالموں اور نقادوں نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

فردوسی نے شاہنامہ کو ایسی زبان میں نظم کیا ہے جو اس وقت تک کے اہل خراسان کی زبان تھی۔ اس کی اپنی کوشش بھی رہی ہے کہ وہ عربی الفاظ تراکیب سے پرہیز کرے۔ اس کی اس کوشش نے شاہنامہ کو آج ایک ایسی کتاب بنا دیا ہے جس میں قدیم فارسی کے بہت سے الفاظ محفوظ ہو گئے ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں اور لوگ جن سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن یہ الفاظ عام طور پر بہت خوبصورت اور

پر قوت ہیں ایسے الفاظ اصطلاح سازی میں ہمارے کام آ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ شاہنامہ میں عربی الفاظ بالکل نہ پائے جاتے ہوں۔ شاہنامہ میں شاہنامہ میں عربی الفاظ خاصی تعداد میں موجود ہیں لیکن یہ وہی الفاظ ہیں جو فارسی میں رواج پا چکے تھے۔

میں نے فردوسی پر اس مختصر سے تعارفی مضمون میں کسی ذاتی تحقیق کو نہیں پیش کیا ہے بلکہ تاریخ ادبیات ایران از ذبیح اللہ صفا منتخب شاہنامہ از محمد علی فروغی وحبیب یغما، شعر العجم از علامہ شبلی نعمانی اور مقالات شیرانی از حافظ محمود شیرانی میں فردوسی اور شاہنامہ سے متعلق جو مباحث پیش کیے ہیں ان کو مختصر کرکے اپنے طور پر لکھ ڈالا ہے میری کوشش یہی رہی ہے کہ اس مقدمہ میں ان تمام مباحث کا احاطہ کر لیا جائے جو شاہنامے کے مطالعہ کے لیے ضروری ہیں۔

شاہنامہ کی بعض کہانیوں کو نثر میں لکھنے کا حکم مجھے محترم شمس الرحمن فاروقی کی طرف سے ملا تھا۔ انہوں نے صرف بیورو کی طرف سے مجھے یہ کام ہی نہیں عطا کیا بلکہ اس کی تکمیل میں بھی میری ہر طرح رہنمائی کی ہے۔ اسی لیے اظہار تشکر کا میں نے بہترین طریقہ یہی سمجھا کہ یہ کتاب میں فاروقی صاحب کے نام معنون کر دوں۔

شاہنامہ کی کہانیاں تیار کرتے وقت میں نے "شاہنامہ فردوسی" مطبوعہ امیر کبیر چاپ سوم آبان ۱۳۰۶ء سے استفادہ کیا ہے۔

تصویر نمبر ۱ "بر تخت نشستن ضحاک" اور تصویر نمبر ۲ "سوگ اسفندیار" شاہنامہ فردوسی۔ حماسۂ جہانی۔ مجموعۂ سخن رایہنائی دومین۔ جشن طوس (۱۳۵۲) سے لی گئی ہیں۔

آصف نعیم صدیقی

داستان ضحاک

کئی ہزار برس پہلے ایران میں ایک بادشاہ گزرا تھا جس کا نام ضحاک تھا شروع شروع میں تو وہ ایک نرم دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ لیکن اچانک ایک ایسی بات ہوئی مزاج کو بالکل بدل ڈالا اور بجائے ایک نیک اور انصاف پسند بادشاہ کہلانے کے وہ تمام دنیا میں ظالم اور بے رحم مشہور ہوگیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ضحاک اپنے خاص کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا سلطنت کے فردی کاغذات دیکھ رہا تھا اچانک دروازہ اپنے آپ کھلا اور ایک شخص ظاہر ہوا جو شکل و صورت سے تو بہت ہوشیار اور عقل مند لیکن پُراسرار معلوم ہوتا تھا۔ یہ شیطان تھا۔ جو ضحاک کو بہکانے آیا تھا۔ ضحاک کو کیا معلوم تھا کہ وہ شیطان ہے۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس کو اپنا دوست سمجھنے لگا۔ دھیرے دھیرے شیطان نے ضحاک کا دل جیت لیا کہ ضحاک اس کی ہر بات ماننے لگا یہاں تک کہ شیطان کے کہنے پر ضحاک نے اپنے بوڑھے اور نیک دل باپ مرداس کو جان سے مروا دیا۔ ملک کے عوام جو ضحاک کو ایک نیک دل بادشاہ سمجھتے تھے شیطان سے نفرت کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ شیطان ہی نے ضحاک کو گمراہ کیا ہے۔ جب شیطان کی مخالفت بہت بڑھ گئی تو وہ ایک دن چپکے سے غایب ہوگیا۔ کچھ دنوں غایب رہنے کے بعد جب شیطان نے سوچا کہ لوگ پرانی باتیں بھول گئے ہونگے تو اس نے ایک نئی چال چلی۔ وہ ایک باورچی کے روپ میں ضحاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بھرے دربار میں اس نے کچھ اس طرح باتیں

بنائیں کہ ضحاک بہت متاثر ہوا اور اس نے شیطان کو اپنا خاص باورچی اور مطبخ کا داروغہ مقرر کر دیا۔ شیطان نے ضحاک کو اتنے عمدہ عمدہ کھانے کھلائے کہ ضحاک، اس کا گرویدہ ہوگیا اور ایک دم اس کے بغیر چین نہ لیا۔ ایک دن موقع پاکر شیطان نے ضحاک سے عرض کیا کہ، عالی جاہ! آپ مجھ سے اتنی محبت فرماتے ہیں اور مجھے بھی عالی جاہ سے بے انتہا عقیدت اور محبت ہوگئی ہے۔ اگر آپ اپنے کندھوں پر سے عبا و قبا ہٹا لیں تو میں آپ کے کاندھوں کو عقیدت اور احترام سے بوسہ دوں۔ اور دین و دنیا کی فلاح پاؤں۔

ضحاک تو اس کے پھندے میں آ ہی چکا تھا اس لیے وہ بے سوچے سمجھے تیار ہوگیا شیطان نے اس کے دونوں کاندھوں کو بوسہ دیا اور پھر فوراً غایب ہوگیا۔ جس جگہ شیطان نے بوسہ دیا تھا وہاں دو پھنکارتے ہوئے ناگ بل کھا رہے تھے۔ اب تو ضحاک حواس باختہ ہوگیا اور اس قدر گھبرا گیا کہ اس نے اس کے غایب ہو جانے کا خیال بھی نہ کیا اور جاکر اپنے محل کے ایک دور دراز کمرے میں چھپ گیا اور حکم دے دیا کہ کوئی میرے سامنے نہ آئے۔

دونوں سانپ ہر دم اس کے منہ پر پھن کاڑھے کھڑے رہتے اور ایسا لگتا کہ جیسے اب ڈس ہی لیں گے۔ ضحاک کا کھانا پینا، سونا جاگنا حرام ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے حکیموں اور سانپ مارنے والوں کو بلا کر ان سانپوں کو وہ مروایا بھی لیکن جیسے ہی وہ سانپ مارے جاتے ان کی جگہ دوسرے پیدا ہو جاتے جب ضحاک علاج سے بالکل مایوس ہوگیا۔ اور اسے یقین ہوگیا کہ اسے اب ان سانپوں سے موت کے بعد ہی نجات ملے گی تو اچانک شیطان اس کے سامنے ایک حکیم کی شکل میں ظاہر ہوا اور بولا کہ میں تم کو ٹھیک کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ ضحاک اس کی ہر شرط اور ہر بات ماننے کے لیے

بخوشی تیار ہو گیا۔ شیطان نے اس سے کہا کہ ان سانپوں کے آزار سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے۔ جب انہیں ہر روز انسانوں کا بھیجا کھلایا جائے۔ تمہیں روزانہ دو آدمیوں کو مروانا ہوگا اور ان کا بھیجا نکلوا کر ان سانپوں کو کھلانا ہوگا۔ جب تک انہیں یہ کھانا ملتا رہے گا وہ چپ چاپ پڑے رہیں گے۔

ضحاک کا دل تو پہلے ہی سخت ہو چکا تھا ورنہ وہ اپنے باپ کو کیوں مرواتا اپنی ایک جان بچانے کی خاطر وہ سیکڑوں بے گناہوں کا خون کرنے پر راضی ہو گیا۔ پھر کیا تھا روزانہ دو بے گناہ پکڑ کر لائے جاتے اور ان کا بھیجا ان سانپوں کو کھلایا جاتا۔ ساری رعایا میں خوف و غصے کی لہر پھیل گئی لیکن بھلا کون تھا جو بادشاہ کے ظلم کے آگے آواز اٹھانے کی ہمت کرتا۔ لوگ بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے لگے۔

اسی زمانے میں فریدوں نام کا ایک شخص ایران میں پیدا ہوا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں ضحاک نے خواب دیکھا تھا کہ اس کی تباہی اس کے ہاتھوں لکھی ہے۔ اسی خوف سے اس نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر فریدوں کے باپ آتین کو گرفتار کروایا تھا اور اس کو مروا کر اس کا بھیجا سانپوں کو کھلوا دیا تھا۔ لیکن اس وقت فریدوں کی ماں فرانک حاملہ ہو چکی تھی۔ فریدوں جب پیدا ہوا تو اس کی ماں (فریدوں) نے کر ابرز کی پہاڑیوں میں چھپ گئی ضحاک کو اس کی خبر نہ تھی اور فرانک اپنے پیارے بیٹے کی پرورش پہاڑوں اور جنگلوں میں کسی نہ کسی طرح کرتی رہی۔ اب فریدوں سولہ سال کا ہو چکا تھا۔ ایک دن اس نے اپنی ماں سے اپنے خاندانی حالات پوچھے۔ اور پوچھا کہ ہم لوگ اس طرح پہاڑوں میں کیوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ماں نے پہلے تو ٹالنا چاہا لیکن جب اس نے بہت ضد کی تو اس نے ساری بات بتا دی۔ اس نے فریدوں کو بتایا کہ ضحاک سے پہلے جمشید بادشاہ تھا لیکن ضحاک اس کو ہٹا کر بادشاہ بن بیٹھا پھر اس نے جمشید کو مروا بھی دیا۔ ہم ایرانیوں سے یہ غلطی ہوئی کہ اس وقت ہم ضحاک کے ساتھ ہو گئے تھے ضحاک نے اس کی دونوں بیٹیوں

،شہرنازہ" اور ارنواز" کے ساتھ زبردستی شادی کرلی جس دن سے وہ تخت پر بیٹھا ہے ملک بھر میں نحوست چھائی ہوئی ہے۔ پھر اس نے سانپوں والا واقعہ بیان کرکے لیاکہ ہر شخص اسی خوف اور فکر میں مبتلا ہے کہ کسی وقت بھی اس کی باری آسکتی ہے ہر شخص اس کے ظلم وستم سے تنگ آچکا ہے۔ تمہارے باپ کو بھی ضحاک نے اس لیے مروا ڈالا کہ وہ چاہتا تھا کہ تم پیدا نہ ہو، کیونکہ اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ اس کی موت تمہارے ہاتھوں لکھی ہے۔ وہ تمہاری تلاش میں ہے اور اس نے اپنے ساتھیوں کو تمہیں ڈھونڈھ نکالنے کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ یہ حالت سن کر فریدوں کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اس نے اسی وقت عہد کیا کہ میں اپنے باپ کے قتل اور ضحاک کے ظلم کا بدلہ ضرور لوں گا۔

ادھر ضحاک فریدوں کے خوف سے چین کی نیند نہ سو پا رہا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بڑے بڑے پجاریوں کو (جن کو موبد کہتے ہیں) اکٹھا کیا اور ان سے پوچھا کہ فریدوں کو کس طرح ڈھونڈھ نکالا جائے۔ پھر خود ہی اس نے یہ تجویز رکھی کہ اس دشمن سے بچنے کے لیے ہمیں ایک ایسی دستاویز تیار کرنا چاہیے جس میں یہ بیان دیا جائے کہ ضحاک ایک انصاف پسند بادشاہ ہے اس نے کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی ایسے کام کو پسند کیا ہے جو ملک کی بربادی اور تباہی کا سبب بنے موبدوں نے سوچا کہ اگر وہ انکار کرتے ہیں تو ضحاک ان کا سر قلم کروا دے گا۔ جان کے خوف سے سب اس دستاویز پر دستخط کرنے کو تیار ہو گئے لیکن جیسے وہ اس پر دستخط کرنے والے تھے کہ محل کے سامنے ایک بارگی ایک شور بلند ہوا اور ایک فریادی اس کے دربار میں داخل ہوا۔ فریادی کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ضحاک نے پوچھا "اے فریادی تیرا کیا نام ہے اور تجھے کیا چاہیے۔ فریادی نے بتایا کہ "میرا نام " کاوہ ہے " میں تیرے انصاف کی دہائی دیتا ہوں۔ میں تیرے ظلم سے تنگ آچکا ہوں۔ میری اٹھارہ اولادیں تھیں اور اب

صرف ایک ہی باقی ہے سترہ تیرے قبضے میں ہیں۔ میں ایک غریب لوہار ہوں۔ آخر مجھ غریب پر اتنے ظلم کیوں"

اس وقت ضحاک گھبرا گیا۔ لیکن پھر اس نے مصلحت سے کام لیا اور اپنی رحم دلی کا ثبوت دینے کے لیے اس کی اولادوں کو رہا کر دیا۔ اور کاوہ سے کہا کہ "دیکھو میں نے تمہارے ساتھ ناانصافی سے کام نہیں لیا اب تمہیں میری اس دستاویز پر دستخط کر دینا چاہیے۔ کاوہ نے دستاویز اپنے ہاتھ میں لی اور اسے پڑھنے لگا۔ اس کو پڑھتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کے موبدوں اور پیشواؤں کو خوب بُرا بھلا کہا کہ لعنت ہے تم پر اور تمہاری پیشوائی پر کہ تم ظلم اور طاقت کے آگے سر جھکا دیتے ہو تمہیں تو چاہیے تھا کہ تم بادشاہ کو اس کے ظلم سے روکتے۔ تم تو اسے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ تمہارا جو دل چاہے سو کر دیں میں تو اس کاغذ پر دستخط نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے دستاویز پھاڑ ڈالا اور اسے اپنے پیروں کے نیچے کچل کر دربار سے نکلتا چلا گیا۔

باہر آ کر کاوہ نے لوگوں کو سب حال کہہ سنایا اور کہا کہ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ لوگ متحد ہو کر اس ظلم کا خاتمہ کر دیں۔ سب نے کاوہ کی تائید کی۔ کاوہ نے سب کو اکٹھا کیا اور چمڑے کا ایک جھنڈا تیار کروایا اور سب لوگ جوق درجوق اس کے پیچھے ہوئے کاوہ پہلے تو فریدوں کے پاس گیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ضحاک کی موت فریدوں کے ہاتھ لکھی ہے۔ جب وہ لوگ فریدوں کے پاس پہنچے۔ تو سب نے ایک آواز ہو کر فریدوں زندہ باد کے نعرے لگائے اور یہ کہا کہ ہم لوگ آپ کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ آپ ہمارے رہبر ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر ضحاک سے ظلم کا انتقام لیں اور اس کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

فریدوں تو تیار ہی بیٹھا تھا۔ وہ فوراً ان لوگوں کے ساتھ ہو لیا ان لوگوں نے پہلے اپنے جھنڈے کو قیمتی موتیوں سے سجایا اور اسے "درفش کاویانی" کا نام دیا پھر دشمن

آگے آگے چلا اور مظلوموں کا ہجوم فوج بن کر اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ ضحاک کے محل پر پہنچے تو ضحاک وہاں موجود نہ تھا فریدون نے شہر پر قبضہ کر لیا اور ضحاک کے محل میں داخل ہو گیا۔ پہلے اس نے جمشید کی دونوں بیٹیوں "شہرناز" اور "ارنواز" کو آزاد کیا۔ انہوں نے رو رو کر فریدون کو ضحاک کی بے رحمی اور بدسلوکی کی داستان سنائی فریدوں نے انہیں ڈھارس دلائی اور قسم کھائی کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم لوگ اس ظالم کو خاک میں ملا کر چین لیں گے۔ ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔ لیکن فریدوں نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔

کندرو جسے ضحاک اپنا نایب مقرر کر کے گیا تھا یہ سب دیکھ کر بہت پریشان ہو رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس میں اتنی طاقت تو تھی نہیں کہ وہ فریدوں کا مقابلہ کر سکے۔ کندرو نے جیسے تیسے وہ دن کاٹا۔ اگلے دن بہت سویرے وہ چھپ چھپا کر ضحاک کو بلانے کے لیے چل دیا۔ ضحاک کو خبر بھی نہ تھی کہ دارالسلطنت پر فریدوں کا قبضہ ہو گیا ہے کندرو کو یوں آتا دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اس نے کندرو سے پوچھا خیریت تو ہے اچانک تم اس اس طرح کیسے آگئے کندرو نے اسے اسی گھبراہٹ اور حیرانی کی کیفیت میں سارا ماجرا سنایا۔ جب ضحاک نے یہ سنا کہ دارالسلطنت پر فریدوں کا قبضہ ہو گیا ہے، تو اسے بے حد غصہ آیا۔ اس نے کندرو کو خوب ڈانٹا پھٹکارا اور کہا کہ "تم اتنے بزدل ہو کہ چند نہتوں کے سامنے دم دبا کر بھاگ نکلے" اس کے بعد اس نے فوجوں کو دارالسلطنت کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

جب ضحاک اپنی فوج کو لے کر دارالسلطنت پہنچا تو وہاں اور ہی منظر تھا۔ ہر طرف فریدوں زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ شہر کیا تھا ایک میدان حشر بنا ہوا تھا فریدوں کی حمایت میں عوام کی فوج اتنی کثیر تعداد میں اکٹھا ہو گئی تھی کہ ان کے چلنے سے جو گرد اٹھتی تھی وہ آسمان تک پہنچ رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ آسمان بھی سیاہ

لباس پہن کر ضحاک سے اس کے مظالم کا انتقام لے رہا ہے ۔ ہوا کا یہ رخ دیکھ کر مذہبی پیشواؤں نے بھی ضحاک کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ غرض یہ کہ انسان، حیوان، حجر، شجر، کوئی ضحاک کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ پھر بھی ضحاک نے جوں توں کر کے حملہ کیا مگر فریدوں کی فوجوں نے اس کو شکست فاش دے دی۔ ضحاک گرفتار کر لیا گیا اور اسے لے جا کر کوہ دماوند میں قید کر دیا گیا۔ لوگوں نے مل کر فریدوں کو بادشاہ بنایا۔

فریدوں کی بادشاہت میں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ سیکڑوں برس کی کچلی ہوئی رعایا نے اطمینان کی سانس لی۔ فریدوں نے ملک کے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے درخواست کی انصاف اور امن و امان قایم رکھنے میں وہ اس کی مدد کرتے رہیں۔

ضحاک تمام زندگی کوہ دماوند میں قید رہا۔ فریدوں کی بادشاہت دور دور تک پھیلی اس نے پانچ سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کی اولادیں بھی ایک زمانے تک ایران پر حکمراں رہے۔

داستان رستم و سہراب

رستم اپنے زمانے کا سب سے بہادر پہلوان تھا۔ ایران کی تاریخ اس کی بہادری کے افسانوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اسی بہادری کی وجہ سے اس کو اپنے عزیز بیٹے سہراب کا غم بھی سہنا پڑا ایک دن کا واقعہ ہے رستم شکار کھیلنے کے لیے ملک سمنگان کی جانب نکل پڑا۔ وہاں کے جنگلوں میں اس نے گورخر کا شکار کیا۔ پھر وہیں سو گیا اسی دوران شاہ سمنگان کے بعض سپاہی ادھر آنکلے اور انہوں نے رستم کے خوبصورت گھوڑے رخش کو جنگل میں چرتے ہوئے دیکھا انہوں نے سوچا کہ یہ موقع اچھا ہے۔ اس سے وہ رخش کی باگ پکڑ کر اسے ہنکاتے ہوئے لے کر چلے گئے۔

جب رستم سو کر اٹھا اور اس نے اپنا گھوڑا نہ پایا تو بہت پریشان ہوا۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں شہر سمنگان کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ شہر کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ لوگوں نے اسے پہچان لیا اور وہاں کے بادشاہ کو اس کے اس طرح پیدل آنے کی خبر دی۔ بادشاہ نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جاؤ جا کر رستم کا استقبال کرو۔ پیچھے پیچھے بادشاہ بھی رستم کی پیشوائی کو نکلا۔ شاہ سمنگان نے رستم کی بہت خاطر مدارات کی اور اسے رات کو وہیں ٹھہرا لیا۔ بادشاہ نے اس کو اطمینان دلوایا کہ رخش اس کو صبح تک ضرور مل جائے گا شاہ سمنگان نے رستم کے لیے بہترین خوابگاہ تیار کرائی۔ رستم کی شاندار دعوت کی گئی اس کے بعد ناچ گانا ہوا۔ یہ محفل بہت دیر تک چلتی رہی۔ آدھی رات کے بعد رستم سونے کے لیے اپنی خوابگاہ تک چلا گیا لیکن ابھی رستم سونے نہ پایا تھا کہ اچانک ایک خدمت

بات ہوئی۔ کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور شاہ سمنگان کی خوبصورت بیٹی تہمینہ ایک کنیز کے ساتھ داخل ہوئی رستم اسے اس طرح آتا دیکھ کر حیران ہوگیا۔ اس نے پوچھا کہ "تم کون ہو"، تہمینہ نے جواب دیا کہ "میں سمنگان کی شہزادی ہوں مجھے آپ ہی جیسے بہادر پہلوان کی تلاش تھی۔ اس دنیا میں کوئی بھی شخص کیا بادشاہ اور کیا عام انسان مجھے متاثر نہیں کرسکا میں آپ کی بہادری اور دلیری کی داستانیں سنتی تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں آپ کو دیکھوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ آج میرے مہمان بن کر آئے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا اگر ہماری آپ کی شادی ہو جاتی۔ ہم دونوں سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ یقیناً آپ ہی کی طرح دلیر اور طاقت ور ہوگی اور ہمارے خاندان کا نام اونچا ہوگا۔" رستم نے کہا کہ "میں اس سلسلے میں آپ اور آپ کے والد شاہ سمنگان کی مرضی کے خلاف نہیں جانا چاہتا۔ یہ خوش خبری فوراً شاہ سمنگان تک پہنچی اس نے موبدوں کو بلایا اور اسی رات تہمینہ کی شادی بڑے شان و شوکت ساتھ رستم سے کردی گئی۔

شادی کے فوراً بعد رستم نے اپنے بازو پر بندھا ہوا مہرہ اتار کر تہمینہ کو اپنی نشانی کے طور پر دیا اور کہا کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو یہ مہرہ اس کے گیسوؤں میں باندھ دینا اور اگر لڑکا ہو تو اس کے بازو پر۔ رات بسر کرنے کے بعد رستم صبح کے وقت تہمینہ سے رخصت ہوا اور کہا کہ ہم پھر جلد ملیں گے۔

رستم جب محل کے باہر نکلا تو اس نے رخش کو زین کسا ہوا تیار خوش و خرم پایا۔ رستم کو اپنا گھوڑا پا کر بہت خوشی ہوئی اور اس نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کہ اگر اس کی مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو ایسا شاندار گھوڑا اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ پھر رستم نے شاہ سمنگان سے بھی رخصت لی۔ اور اپنے وطن سیستان کو چل پڑا۔

جب رستم کو گئے ہوئے نو مہینے پورے ہوگئے تو تہمینہ کے بیٹا پیدا ہوا۔ تہمینہ نے اس کا نام سہراب رکھا اور انتہائی ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ سہراب میں

بچپن ہی سے بہادری اور بڑائی کی تمام نشانیاں موجود تھیں۔ تین سال کی عمر تک اس نے کشتی کے سارے فن سیکھ لیے اور جب وہ دس سال کا ہوا تو اس نے ملک کے تمام نامور پہلوانوں پر اپنی بہادری کا سکہ جما لیا تھا۔

ایک دن سہراب کے دل میں آئی کہ اسے اپنی ماں سے اپنے خاندان اور باپ دادا کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔ اس نے اپنی ماں سے پوچھا کہ مجھ میں بہادری کے یہ جوہر کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو تہمینہ نے ٹال مٹول کی کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ اگر سہراب کو اپنے باپ کا نام و نشان معلوم ہو جائے گا تو وہ اس کے پاس چلا جائے گا لیکن جب سہراب نے بہت زور دیا تو اس نے حال سنایا اور اس کو رستم کی نشانیاں دکھائیں۔

تہمینہ نے سہراب کو ہدایت کی کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ممکن ہے توران کے بادشاہ افراسیاب کو اس کی خبر لگ جائے۔ افراسیاب رستم کا دشمن ہے پھر وہ تم سے یہ دشمنی ضرور نکالے گا۔ تہمینہ نے کہا اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر رستم کو تمہاری بہادری کا پتہ چل گیا تو وہ تم کو اپنے پاس بلا لے گا اور میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مگر سہراب تو اپنی جوانی کے نشے میں چور تھا وہ بولا کہ "میں نہ تو کسی کو خاطر میں لاتا ہوں اور نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں ایسے باپ کا نام جس پر بڑے بڑے فخر کریں کون چھپاتا ہے۔ میں تورانیوں کی ایک فوج بناؤں گا اور ایران پر حملہ کروں گا وہاں کے بادشاہ کاؤس کو تخت سے ہٹا کر اپنے باپ کو بادشاہ بناؤں گا۔"

تہمینہ نے اس کو بہت روکا لیکن سہراب کب ماننے والا تھا اور شاہ سمنگان تو چاہتا ہی تھا کہ ایران پر کوئی آفت آئے۔ سہراب نے فوجیں اکٹھا کرنا شروع کر دیں اس نے اپنی سواری کے لیے گھوڑوں کو آزمایا۔ لیکن کوئی بھی گھوڑا اس کی طاقت کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ جس گھوڑے پر زین کستا وہ وہیں بڑبڑا کر بیٹھ جاتا۔ سہراب

بالکل مایوس ہو چلا تھا کہ اتنے میں ایک شخص ایک بچھڑا لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ رخش کی نسل سے ہے آپ اسے آزما کر دیکھیں سہراب نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ ہاں یہ گھوڑا میرے لایق ہے اور اس کو بہت بڑی قیمت دے کر خرید لیا۔"

ایران پر فوج کشی کرنے سے پہلے سہراب اپنے نانا شاہ سمنگان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے دعائیں دیں اور بڑی شان و شوکت سے اسے رخصت کیا۔ توران کے بادشاہ افراسیاب نے جب سہراب کی فوج کشی کی خبر سنی تو وہ بھی بہت خوش ہوا کہ اب ایرانیوں کو مزا آئے گا وہ لوگ اپنے رستم پر بہت ناز کرتے ہیں مگر یہ لڑکا تو رستم کو بھی مار گرائے گا۔ اس نے اپنے دو مشہور پہلوانوں ہومان اور بارمان کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سہراب کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ افراسیاب نے دل میں یہ سوچا کہ اگر رستم کے ہاتھوں سہراب مارا بھی جاتا ہے تو بھی رستم زندہ نہ بچے گا۔ جوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کے بعد وہ خود بھی گھل گھل کر مر جائے گا اس نے ہومان اور بارمان کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ سہراب کو کسی طرح یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ رستم کون ہے تاکہ دونوں دھوکے میں رہیں اور ایک دوسرے کا کام تمام کر دے۔

جب یہ شاہی لشکر سہراب کے پاس پہنچا اور ہومان کی ملاقات سہراب سے ہوئی تو سہراب کی کم سنی اور عزم و بہادری کو دیکھ کر سب کو بڑا تعجب ہوا۔ اس فوجی مدد کو دیکھ کر سہراب کو بھی بڑی مسرت ہوئی اور وہ فوراً بارمان اور ہومان کی رہنمائی میں سرزمین ایران کی جانب چل پڑا۔ سہراب کا لشکر لہریں مارتا ایران کی طرف بڑھ رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک بہت مضبوط اور عظیم الشان قلعہ دکھائی دیا معلوم ہوا کہ اس قلعے کا نام دژ سپید ہے اور اس میں ایران کی سرحدی فوج حفاظت کی غرض سے مقرر ہے قلع پر ایک زبردست پہلوان حکومت کرتا ہے

جس کا نام ہجیر ہے۔ بڑے بڑے اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ ہجیر نے جب سہراب کی فوج کو آتے دیکھا تو فوراً قلعے کا پھاٹک کھلوا کر گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے آیا ادھر سہراب نے بھی تلوار سونت لی اور پوچھا کہ "تو کون ہے" ہجیر نے گرج کر جواب دیا۔ کہ میرا نام ہجیر ہے اور میں سرزمین ایران کا پہلوان ہوں۔ میرا کام ایران کی حفاظت کرنا اور اس کے دشمنوں کی گردن اڑانا ہے لیکن یہ بتا تو کون ہے اگر کسی غلط ارادے سے آیا ہے تو میں ابھی تیرا سر اڑا دوں گا۔

سہراب نے پلک جھپکتے ہلکے سے گیند کی مانند ہجیر کو گھوڑے سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا اور خود ہوا کی مانند گھوڑے سے اتر کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ وہ اس کا سر کاٹنے والا تھا کہ ہجیر گڑگڑانے لگا اور اس سے اپنی جان کی امان مانگی۔ سہراب نے اسے بخش دیا اور گرفتار کر کے اسے ہومان کے پاس بھیج دیا۔

یہ خبر جب دژ سپید میں پہنچی تو وہاں گژدہم کی بیٹی گرد آفرید بھی تھی۔ وہ بھی جنگ جوئی اور بہادری میں اپنے باپ کی طرح تھی۔ اس خبر سے اس کی غیرت جوش میں آگئی اس نے فوراً جنگی لباس پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تورانی فوج کے سامنے پہنچ گئی۔ اس نے پکار کر کہا " کون ہے وہ سورما جس نے ہجیر کو قید کیا ہے۔ ہمت ہے تو سامنے آئے"۔ سہراب کو یہ سن کر ہنسی آگئی۔ اور اس نے گرد آفرید سے کہا کہ "اس سے پہلے کہ میں تلوار اٹھاؤں تو یہ بتا دے کہ تو کون ہے اور کس نام سے تیرے بعد تیرا ماتم کیا جائے"۔ اس پر گرد آفرید نے کہا کہ "جنگ میں خود ہی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون کیا ہے"۔ دونوں میں گھمسان جنگ ہوئی۔ سہراب جس طرف اور جس انداز سے بھی گرد آفرید پر وار کرتا وہ ڈٹ کر اس کا جواب دیتی۔ جب وار کرتے کرتے سہراب شل ہو گیا اور گرد آفرید اس کی گرفت میں کسی طرح نہ آئی تو وہ جھنجلا اٹھا اور اسی طیش کے عالم میں اس نے گرد آفرید کے کمر بند کو پکڑ کر اتنی زور سے اسے کھینچا

کہ وہ ٹوٹ کر چور چور ہوگیا۔ اور زرہ اس کے جسم پر پارہ پارہ ہوگئی۔ گرد آفرید اپنے کمربند اور زرہ کو سنبھال رہی تھی کہ سہراب نے اس کا نیزہ اس سے چھین لیا اور کمند پھینک کر اسے گرفتار کرلیا۔ جب سہراب نے کمند کو جھٹکا دیا تو گرد آفرید کا خود بھی اس کے سر سے گر پڑا اور اس کے لمبے لمبے بال بکھر گئے۔ سہراب کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ تو مرد نہیں بلکہ لڑکی ہے۔ اب گرد آفرید نے چالاکی سے کام لیا اور بولی کہ اب تو میں پوری طرح تیرے قابو میں ہوں اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میں عورت ہوں اور مجھ پر ہاتھ اٹھانا بہادری نہ ہوگی بہتر ہے کہ ہم لوگ صلح کریں۔ میں یہ قلعہ یہ خزانہ اور یہ فوج تیرے حوالے کیے دیتی ہوں۔

سہراب ناتجربے کار تو تھا ہی وہ گرد آفرید کی میٹھی باتوں اور اس کے حسن کے فریب میں آگیا اور اسے چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ قلعے کی طرف چل پڑا۔ جب وہ لوگ قلعہ کے اندر پہنچ گئے اور گرد آفرید کو یقین ہوگیا کہ اب وہ ہر طرح سے محفوظ ہے تو وہ سہراب سے بولی کہ " تم نے بلا وجہ یہ زحمت کی ہے بہتر ہے کہ تم اب لوٹ جاؤ " سہراب کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اس نے اس سے پوچھا کہ " وہ سارے وعدے کیا ہوئے جو تم نے کیے تھے " گرد آفرید ہنس پڑی۔ کہنے لگی " یہ تو تمہارے سمجھنے کی بات تھی۔ ایرانیوں اور تورانیوں میں کبھی آج تک میل جول رہا ہے جو میں تم سے صلح کرتی اور اتنی آسانی سے سب کچھ تمہیں سونپ دیتی۔ تمہاری سلامتی اور بھلائی اسی میں ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابھی تمہیں رستم کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ اگر رستم جنگ پر آمادہ ہوگیا تو تمہاری فوج کا ایک شخص بھی نہ زندہ بچے گا۔ سہراب کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ ضبط کرکے بولا " خیر مناؤ اب شام ہو چکی ہے ورنہ میں ابھی خاک میں ملا دیتا۔ اس وقت تو جا رہا ہوں کل اگر تم کو اس بے ایمانی اور دھوکے بازی کا مزہ چکھاؤں گا " وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا۔

سہراب کو دیکھ کر کژ دہم پر بڑی ہیبت طاری ہوئی۔ اس نے سب حالات شاہ کاؤس کی خدمت میں لکھ بھیجے اور خود سب ساتھیوں کو لے کر ایک سرنگ کے راستے سے فرار ہوگیا۔ ادھر دوسرے دن صبح ہوتے ہی سہراب نے قلعے پر حملہ کر دیا جب وہ اندر داخل ہوا تو وہاں سناٹا پاکر اسے بڑی حیرت ہوئی اس نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ لیکن گرد آفرید پر اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔

ادھر صبح ہوتے ہوتے کژ دہم کا بھیجا ہوا قاصد بھی شاہ کاؤس کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ نے گھبرا کر طوس کشواد اور گیو وغیرہ بڑے بڑے پہلوانوں کو بلوایا۔ اور ان سے مشورہ کیا۔ سب نے مل کر رائے دی کہ گیو کو بھیج کر رستم کو بلوایا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ گیو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر رستم کو بلانے کے لیے چل کھڑا ہوا۔ وہ اتنا تیز چلا کہ اس نے گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے کر لیا۔ جب وہ سیستان کے نزدیک پہنچا تو شہر پناہ کے محافظوں نے رستم کو خبر دی کہ گیو خاصی بدحواسی کے عالم میں بادشاہ کا کوئی پیغام لے کر آپ سے ملنے آرہا ہے۔ رستم خود اس کی پیشوائی کے لیے آیا اور اسے بڑی عزت کے ساتھ اپنے محل میں لے گیا گیو نے رستم کو بادشاہ کا پیغام سنایا۔ اور تمام حالات سے مطلع کیا۔ جب رستم نے یہ سنا کہ ایک معمولی سے نوجوان نے ایرانیوں کے قلعے پر قبضہ کر لیا تو رستم کو تعجب ہوا اور کچھ تشویش بھی ہوئی کہ یہ لڑکا آخر کون ہے ؛ اسے یہ گمان ہوا کہ کہیں میرا اپنا ہی بیٹا تو نہیں لیکن اس نے پھر سوچا کہ وہ تو بہت کم سن ہے یہ کوئی اور ہی ہوگا۔ اس نے گیو سے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے جب تک میں زندہ ہوں کوئی ایران کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ گھبرانے کی کیا بات ہے آج تو آرام کریں پھر چلیں گے۔ شام کو رستم نے گیو کی شاندار دعوت کی خوب ناچ رنگ ہوا۔

رستم عیش عشرت میں اتنا کھو گیا کہ اس نے تین دن تک چلنے کا خیال بھی نہ آیا اس کے ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ شاہ کاؤس نے بلوایا ہے۔ جب اس طرح تین دن ہو گئے تو گیو کی بے چینی بڑھنے لگی۔ اس نے رستم کو چلنے کے لیے یاد دلانا شروع کیا۔ لیکن رستم ٹال مٹول کرتا رہا مگر گیو اب ایک لمحے کے لیے بھی رکنے کو تیار نہ تھا اس نے بہت زور دے کر چلنے کے لیے کہا۔ جب رستم نے دیکھا کہ گیو اب کسی قیمت پر نہیں رک سکتا تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے پر مجبور ہو گیا۔ اور وہ لوگ وہاں سے چوتھے دن ایران کے لیے روانہ ہو گئے

جب رستم اور گیو ایران کی سرحد کے نزدیک پہنچے تو سپاہیوں نے دربار میں ان کے آنے کی اطلاع دی۔ یہ خبر پاکر طوس گودرز اور کشواد ان کے استقبال کے لیے گئے اور ان کو لے کر بہت جلد بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے کاؤس رستم کے لیے دربار میں ایک ایک دن گن رہا تھا اس نے جیسے ہی رستم کو دیکھا تو غصے کو ضبط نہ کر سکا وہ تھوڑا بہت جلد باز اور بے وقوف تو تھا ہی اس نے سارے دربار پر گرجنا شروع کر دیا کہ کون ہے رستم جس نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ شکر ہے کہ اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے ورنہ اس کا سر اڑا دیتا۔ اس نے طوس کو حکم دیا کہ لے جاؤ ان دونوں کو، اور پھانسی پر چڑھا دو۔ طوس نے اس وقت وہاں سے چلے جانے ہی میں عافیت سمجھی اس نے رستم کو دربار سے کھینچ کر لے جانے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا۔ بھلا رستم جیسے بہادر اور باغیرت شخص کو یہ بات کب گوارہ ہو سکتی تھی۔ اس نے طوس کا ہاتھ اتنی زور سے جھٹکا کہ طوس سر کے بل گر پڑا۔ رستم نے غصہ بادشاہ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا کہ " میں ایسے برتاؤ کا عادی نہیں ہوں۔ عالی جاہ! آپ بھولتے ہیں کہ آپ کی سلطنت آپ کا تخت و تاج آپ کی آبرو یہ سب میرے بل بوتے پر قایم

ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرا نام رستم ہے میں زال کی اولاد ہوں مصر، چین، روم، مازندران ساری دنیا میری نام سے کانپتی ہے۔ مجھ پر آپ کا کوئی احسان نہیں۔ بلکہ میں نے ہی ہمیشہ آپ پر احسان کیا ہے۔ میں اگر چاہوں تو خود بادشاہ بن سکتا ہوں۔ رستم کی باتیں سن کر بادشاہ اور سارا دربار سناٹے میں آگیے۔ کاؤس دل ہی دل میں اپنی بیوقوفی پر پچھتا رہا تھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ جب بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے کشواد کو اشارہ کیا کہ تم ہی رستم کا غصہ ٹھنڈا کر سکتے ہو۔ کشواد نے بڑی نرمی اور مصلحت سے کام لے کر رستم کو دربار سے ہٹا لیا اور دیر تک خود ہی اس کو سمجھاتا رہا اور بادشاہ کی طرف سے معذرت کرتا رہا۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو اس نے رستم کو غیرت دلائی کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری ذراسی ضد کی بنا پر ایران پر افراسیاب کا قبضہ ہوجائے اور ایران کی آزادی تورانیوں کے ہاتھ بک جائے۔

کشواد کی یہ بات رستم کے دل کو لگ گئی اور اس نے کہا کہ دل تو نہیں چاہتا کہ کاؤس جیسے بے عقل بادشاہ کی خدمت کروں لیکن ایران کی خاطر میں جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی کشواد رستم کو لے کر خوشی خوشی بادشاہ کے پاس آیا۔ دونوں نے اپنے غصّے پر شرمندگی کا اظہار کیا اور بغل گیر ہوئے بادشاہ نے فوجوں کو تیاری کا حکم دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ایران کی فوج سہراب سے لڑنے کے لیے روانہ ہوگئی۔ ہاتھیوں پر طبلِ جنگ باندھے گیے۔ سپاہیوں نے جنگی لباس پہنے جھنڈے اٹھائے ہتھیار اور فوجی سامان سے لدی ہوئی گاڑیاں تیار کیں۔ آگے آگے رستم تھا اس کے بعد سردار تھے اور ان کے پیچھے ایک عظیم الشان فوج میدان جنگ کی طرف چلی جارہی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایرانی فوج دژ سپید کے نزدیک پہنچ گئی۔ دژ سپید پر پہنچنے کے بعد ایرانی فوجیوں نے

خیمے گاڑ دیے گئے خیمہ آراستہ ہوگیا بازار کھل گئے ہر طرف جنگ کی تیاریاں دکھائی دینے لگیں۔ رستم نے فوجوں کو تو وہیں چھوڑا اور خود تورانیوں کا سا بھیس بنا کر سہراب کی فوجوں کی خبر لینے چلا گیا۔ ادھر سہراب نے بھی اپنی فوجوں کو قلع سے باہر نکال کر قلع کے نزدیک پڑاو ڈال دیا تھا۔ رستم چھپتے چھپاتے اس پڑاؤ میں داخل ہوا وہاں سہراب بارمان اور ہومان خیمے میں کھانے پر جمع تھے اور جنگ کے بارے میں تجویزیں سوچی جا رہی تھیں۔ رستم دندناتا ہوا سہراب کے خیمے میں گھس گیا۔ زندہ رزم نامی پہلوان خیمے کی حفاظت پر متعین تھا۔ اس نے خیمے کے اگلے والے حصے میں رستم کو پکڑ لیا۔ لیکن رستم نے اس کا سر گرز سے چکنا چور کر دیا۔ سہراب وغیرہ جو خیمے کے اندرونی حصے میں تھے اس وقت ان کو کوئی آہٹ نہ ملی لیکن رستم نے خود واپس ہی لوٹ جانے میں مصلحت سمجھی۔ سہراب کی فوجوں کا اسے اندازہ ہو ہی چکا تھا۔ وہ آہستہ سے لوٹ آیا۔

جب سہراب اور اس کے ساتھیوں کو زندہ رزم کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ لوگ کھانا پینا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سہراب نے قسم کھائی کہ وہ زندہ رزم کے خون کا بدلہ لیے بغیر چین کی نیند نہ سوئے گا۔ سہراب نے اسی وقت جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر ہجیر کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اب مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ ایرانیوں کی فوج میں بادشاہ کون ہے۔ طوس کون ہے۔ بہرام کون ہے اور رستم کون اگر تم نے صحیح صحیح بتا دیا تو میں تمہیں انعام دوں گا لیکن اگر ذرا بھی جھوٹ بولا تو اچھا نہ ہوگا۔ ہجیر نے کہا کہ میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

سہراب ہجیر کو لے کر قلع کی فصیل پر کھڑا ہوگیا۔ وہاں سے ایرانیوں کی

پوری فوج نظر آرہی تھی۔ ہجیر نے سہراب کو بتانا شروع کیا کہ دیباسے آراستہ جو خیمہ تم دیکھ رہے ہو اور جس کے سامنے سیکڑوں خوف ناک ہاتھی بندھے ہوئے ہیں اور جس میں ایک تخت شاہی رکھا ہوا ہے اور جس پر ایک سنہرا جھنڈا لہرا رہا ہے وہ شاہ کاؤس کا خیمہ ہے۔ سرخ رنگ والا گودرز کا خیمہ ہے۔ غرض سہراب، اس سے ایک ایک کرکے تمام خیموں کے بارے میں پوچھتا گیا اور وہ سب بتاتا گیا اب جب رستم کی باری آئی تو وہ یہ کہہ کر ٹال گیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سبز خیمہ کس کا ہے شاید یہ کوئی چینی پہلوان ہے۔ ہجیر یہ ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے بتا دیا کہ ان پہلوانوں میں رستم کون ہے تو شاید سہراب چپکے سے رستم پر حملہ کرکے رستم کو مار ڈالے پھر تو ایرانی کہیں کے نہ رہیں گے اس لیے وہ طرح طرح سے ٹالتا رہا اور رستم کا نام بھی زبان پر نہ لایا۔

سہراب جو رستم کی جستجو میں دیوانہ ہو رہا تھا جب ہجیر کی طرف سے مایوس ہو گیا تو مارے غصّے کے ایرانی فوج میں گھس پڑا اور سیدھا شاہ کاؤس کے خیمے میں جا گرا۔ اسے اس طرح آتا دیکھ کر تمام سپاہی اور فوجی سراسیمہ ہو گیے اور کوئی اسے روکنے کی ہمّت نہ کر سکا سہراب نے شاہ کاؤس کو خوب للکارا اور کہا کہ جب تم میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو تم سے کس نے کہا ہے کہ تم اپنا نام شاہ کاؤس رکھو اور بادشاہت کا دعویٰ کرو۔ میں نے زندہ رزم کے قتل پر قسم کھائی ہے کہ ایرانی فوج کے ایک آدمی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ کون ہے وہ پہلوان جو ہم سے آنکھ ملانا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے اپنے خیمے میں لوٹ آیا۔ لیکن شاہ کاؤس اس کے اس تیور کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے فوراً طوس کو رستم کے پاس بھیج کر سارے واقعے کی خبر پہنچوائی۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ اب جنگ میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

بادشاہ کا پیغام پاکر رستم نے جنگی لباس پہنا۔ اور میدان میں اتر آیا۔ رستم کو دیکھ کر سہراب بھی گھوڑا اڑا کر سامنے آیا۔ سہراب بہت دیر تک اپنے حریف کو دیکھتا رہا۔ اسے اس میں وہ تمام نشانیاں نظر آئیں جو اس کی ماں نے بتائی تھیں وہ سوچنے لگا کہ ہو نہ ہو یہی شخص رستم ہے۔ اس نے رستم سے پوچھ ہی لیا کہ آپ کا نام "رستم" تو نہیں ہے لیکن تقدیر میں تو جنگ اور باپ کے ہاتھوں بیٹے کی موت لکھی تھی رستم نے بے نیازی سے جواب دیا نہ تو میرا نام رستم ہے اور نہ ہی میرا تعلق سام کی نسل سے ہے۔ رستم کہاں اور کہاں میں۔ وہ ایک عظیم پہلوان ہے اور میں ایک معمولی سپاہی؛ سہراب یہ جواب پاکر بہت مایوس ہوا۔ اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

دونوں نے لڑنا تو ٹھان ہی رکھا تھا۔ دونوں جنگ کے لیے آمنے سامنے آکھڑے ہوئے۔ پہلے نیزوں سے لڑتے رہے۔ جب نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں ہاتھ میں لے لیں دونوں نے ایک دوسرے پر اس شدت سے وار کیے کہ تلواروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیے۔ اس کے بعد دونوں نے گرز اٹھالیا۔ دونوں طرف سے برابر کی چوٹیں رہیں۔ دونوں کی مار اس قدر زبردست تھی کہ ان کے زرہ بکتر پارہ پارہ ہوگئے۔ جسم پسینے میں نہاگئے اور چہرے گرد سے رٹ گئے لیکن نہ رستم سہراب کو گرفت میں لے پارہا تھا اور نہ سہراب رستم کو۔ دونوں بری طرح سے تھک گئے تھے۔

سستانے کی غرض سے دونوں ایک دوسرے سے تھوڑی دیر کے لیے دور جا کھڑے ہوئے۔ رستم سہراب کی طاقت اور بہادری پر حیران تھا۔ سہراب نے جس بہادری اور ہمت کے ساتھ رستم کا مقابلہ کیا تھا اور جس پھرتیلے پن سے رستم پر وار کیے تھے اس سے رستم دل میں بہت ڈر گیا تھا اتنی طاقت تو اسے سفید دیو سے

بھی لڑنے میں نہیں لگانی پڑی تھی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دونوں جنگ پر پھر مستعد ہوئے۔ دونوں طرف کی فوجوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اتنی زبردست کشتی پہلے بھی بھلا کسی نے دیکھی تھی۔ دونوں لشکر اپنے اپنے پہلوانوں کی فتح کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ دو بہادروں کی اس ٹکر کا انجام کیا ہوگا۔ ادھر رستم اور سہراب نے کئی زرہیں پہنی اور تیر کمان کو آراستہ کیا اور میدان جنگ میں اتر آئے۔ دونوں طرف سے تیر چلنے لگے۔ بڑی دیر تک تیر اندازی ہوتی رہی۔ دونوں کے کئی تیر نشانے پر بیٹھے۔ لیکن کسی کو ایسا زخم نہ لگ سکا کہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے آخر کار دونوں نے کشتی پر فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا اور آپس میں گتھ گیے۔ کبھی رستم کا کمربند سہراب کے ہاتھ میں آتا اور کبھی سہراب کا رستم کے ہاتھ میں۔ یہ جنگ کئی پہر جاری رہی۔ اتفاق سے سہراب کی کمر رستم کے ہاتھوں میں آگئی اور اس نے چاہا کہ کمر سے، اٹھاکر وہ سہراب کو زمین پر دے مارے لیکن پہاڑوں کو زمین سے، اکھاڑ کر پھینکنے والے رستم کی طاقت یہاں کارگر نہ ہو سکی۔ پوری طاقت لگا دینے کے بعد بھی وہ سہراب کی کمر کو خم تک نہ کر سکا۔ سہراب نے جو زور کیا تو اس کا کمربند رستم کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ سہراب نے پیچھے ہٹ کر رستم پر گرز کا وار کیا۔ سہراب کی ضرب ایسی زبردست تھی کہ اگر پہاڑ پر پڑتی تو پہاڑ سرمہ ہو جاتا۔ رستم کسی نہ کسی طرح اس چوٹ کو برداشت کر گیا مگر تکلیف کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ سہراب ہنس کر بولا آخر تو کیسا پہلوان ہے کہ بہادروں کے ایک وار کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ رستم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اس نے اپنا غصہ تورانی فوج پر اتارا اور فوج میں گھس پڑا سہراب بھی ایرانیوں پر جا پڑا اس نے منٹوں میں کئی سرداروں کے سر اڑا کر رکھ دیے۔ رستم کو یہ خیال آیا کہ سہراب اس وقت بھوکا بھیڑیا ہو رہا ہے کہیں میرے بادشاہ

کو بھی نہ مار ڈالے۔ وہ فوراً اپنے لشکر کی طرف لوٹ آیا۔ فوج کے نزدیک پہنچ کر رستم نے سہراب کو پکارا کہ اے ترک مرد ایرانی فوج میں تجھ سے کس نے جنگ کی تھی۔ جو تو نے اتنے بے گناہوں کے خون سے زمین رنگین کر دی۔ سہراب نے جواب میں کہا کہ پہل تو تم نے ہی کی ہے۔

رستم نے اس وقت جنگ بندی میں ہی مصلحت جانی اور کہا اچھا اس وقت سورج ڈوب رہا ہے اب کل تم سے مقابلہ ہوگا۔ دونوں اپنے اپنے خیمے کو لوٹ گئے۔

سہراب کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ خدا معلوم تورانی فوج میں کس کس بے گناہ کو اس شخص نے مار ڈالا ہو۔ لیکن ہومان نے اسے اطمینان دلایا اور بتایا کہ حملے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ ایک مست ہاتھی کی طرح ادھر آیا مگر خدا معلوم کیا مصلحت تھی کہ فوراً لوٹ گیا، ہم لوگوں کو اس کے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ٹھیک ہے اب کل دیکھا جائے گا۔ سب نے کمر کھولی اور آرام کیا۔ ادھر رستم بھی ایرانی فوج میں واپس آیا اور سب لوگوں نے فوراً سونے کا بندوبست شروع کر دیا۔

رستم کے دل میں انجام کا خوف اور لڑائی کی دھن تھی۔ اس نے اپنے بھائی زوارہ کو بلا کر کہا کل میں جب جنگ کے لیے جاؤں تو تم خیمے کے سامنے ہی ٹھہرنا اگر میں فتح یاب ہوا تو دیر تک میدان میں نہیں رہوں گا اور اگر ہار گیا تو تم ماتم نہ کرنا۔ اور نہ تم میں سے کوئی میدان کی طرف جائے اور نہ لڑائی کی راہ نکالے بلکہ تم سب سیستان جانا اور میرے باپ کو تسلی دینا کہ تقدیر میں جو لکھا تھا وہ پورا ہوا اور پھر میرے باپ کو تسلی دینے کے بعد ان سے یہ بھی میری طرف سے کہہ دینا کہ بادشاہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ اور اگر بادشاہ کسی سے جنگ ٹھانے تو اس کی مدد بھی کریں۔

ادھر سہراب بھی اپنے خیمے میں ہومان سے بیٹھا رستم اور اس کی بہادری کا ذکر

کر رہا تھا۔ اس نے ہومان سے کہا کہ مجھے تو اس کے قد و قامت اور اس کی بہادری کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ رستم ہی ہے۔ اس میں میری ماں کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں موجود ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے باپ سے جنگ کرکے دنیا میں بدنامی اٹھاؤں اور مرنے کے بعد خدا کے سامنے مجھے شرمسار ہونا پڑے۔ ہومان نے کہا کہ جنگ میں کئی بار میری اور رستم کا آمنا سامنا ہوا ہے۔ میں رستم کو خوب پہچانتا ہوں۔ اگر وہ رستم ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی بتا دیتا۔ وہ رستم نہیں ہے۔ تمہیں جنگ میں اس طرح ہمت نہ ہارنی چاہیے۔

صبح ہوتے ہی رستم اور سہراب میدان میں اتر آئے۔ سہراب نے رستم سے پوچھا کہ رات کیسی گذری اس کے دل میں اب بھی یہ بات جمی ہوئی تھی ہو نہ ہو یہ پہلوان رستم ہی ہے۔ اس نے رستم سے کہا کہ آپ کو دیکھ کر میں اپنے دل میں محبت کا جذبہ محسوس کرتا ہوں۔ یقیناً آپ بہادروں کی نسل ہیں۔ کہیں آپ رستم تو نہیں ہیں لیکن تقدیر میں تو جنگ لکھی تھی اس کے اس سوال پر بھی رستم نے اسے اپنا نام و نشان نہیں بتایا بلکہ یہ جواب دیا کہ اے نام و پتہ پوچھنے والے جنگ میں اس طرح کی گفتگو نہیں کی جاتی۔ بہانوں سے کام نہیں چلے گا۔ کل جو طے ہوا تھا اسے ان باتوں سے ٹالنا بہادری کے خلاف ہے۔ اب تو ہم دونوں میں کشتی ہی ہوگی۔ انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ سہراب نے کہا بڑے میاں مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ جب تمہارا وقت آئے تو تم بستر پر آرام سے مرو۔ تمہارے سب گھر والے تمہارے سرہانے ہوں۔ لیکن تم جنگ میں بھی اپنی جان دینا چاہتے ہو تو آؤ فیصلہ کیے لیتے ہیں۔

دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے چٹانوں سے باندھ دیے۔ کشتی شروع ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے گی۔ سہراب نے شیر کی مانند جست لگائی، اور

ہاتھ بڑھا کر رستم کا کمربند جکڑ لیا۔ رستم اپنے کو کمزور محسوس کرنے لگا۔ سہراب نے اسے سر سے اونچا کر کے دے مارا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ خنجر نکال کر رستم کا سر تن سے جدا کر دے کہ رستم نے پکار کر کہا۔" ارے یہ کیا کر رہے ہو۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ سرداروں کو پہلی بار گرا کر نہیں مارتے بلکہ ایک اور کشتی لڑتے ہیں۔ اگر دوبارہ بھی وہ سردار گر جائے تو اس کا سر کاٹ لیتے ہیں

سہراب رستم کی باتوں میں آگیا اور اسے چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ اور کہا کہ "اچھا اب کل فیصلہ ہوگا " یہ کہہ کر وہ نہایت لاپرواہی سے جنگل میں شکار کھیلنے چلا گیا۔ جب ہومان نے یہ سنا کہ سہراب نے رستم کی چال میں آکر اس کو زندہ چھوڑ دیا تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس نے سہراب سے کہا کہ" تم نے یہ کیا کیا۔ شاید تم خود زندگی سے تنگ آگیے ہو۔ تم نے تو خود موت کو دعوت دی ہے۔ اب تم دیکھوگے کہ دوبارہ اس پہلوان کو گرفت میں لانا کتنا مشکل ہے اب تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا مگر سہراب کو اپنی طاقت پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس نے ہومان کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور اس سے کہا کہ تم فکر مت کرو کل مقابلے میں۔ میں اس کا سر ضرور کاٹ لوں گا۔

ادھر رستم اپنی جان بچا کر واپس تو نکل گیا لیکن وہ نہایت ملول اور فکرمند تھا کہ اب کل کیا ہوگا۔ وہ ٹہلتا ہوا ایک چشمے کے کنارے پہنچا اس نے جھک کر پانی پیا اور بدن پر بھری ہوئی دھول کو صاف کیا اور ہاتھ منہ دھو کر خدا سے رو رو کر دعا کرنے لگا کہ میرا پچھلا زور واپس کر دے۔ جوانی میں رستم میں اتنا زور تھا کہ جب وہ زور آزمائی کرتا تو اس کے پاؤں پتھر میں دھنس جاتے تھے۔ اس کے لیے چلنا دوبھر ہو گیا تھا۔ اس طاقت سے تنگ آکر اس نے دعا کی تھی کہ میری طاقت کچھ کم ہو جائے۔ اس کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس کا زور گھٹ گیا۔ آج اس کو اپنی اس

دعا پر شرمندگی ہو رہی تھی اور اس نے سچے دل سے دعا مانگی کہ اس کی طاقت بڑھ جائے۔ خدا نے دعا قبول کر لی اور اس کی کھوئی ہوئی طاقت اس کو واپس دے دی۔

رستم رات بھر سجدے میں پڑا رہا۔ صبح ہوتے ہی میدانِ جنگ میں جا پہنچا ادھر سہراب بھی میدانِ جنگ میں مست ہاتھی کی طرح داخل ہوا۔ رستم کو دیکھتے ہی سہراب بولا۔ اے شیرِ دل بوڑھے تم پھر جنگ کرنے آگئے شاید تمہارا دل زندگی سے بھر گیا ہے اور تم خود اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔ رستم نے جواب دیا کہ۔ اے مغرور نوجوان! ایسی باتیں کرنا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ آج دیکھنا کہ اس بوڑھے کے ہاتھوں سے تم پر کیا گذرتی ہے۔

دونوں اپنے اپنے گھوڑے کو الگ باندھ کر لڑنے کے لیے میدان میں آگئے اور کشتی شروع ہو گئی۔ کبھی سہراب کی کمر رستم کے ہاتھوں میں آئی کبھی رستم کی کمر سہراب کے ہاتھوں میں۔ بہت دیر تک اسی طرح زور آزمائی ہوتی رہی۔ سہراب بھی حیران تھا کہ کل جس بوڑھے کو اس نے گرا لیا تھا آج اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی۔ رستم نے سہراب کی گردن پکڑ لی اور کمر پر زور دیکر اس طرح جھکایا کہ وہ یک دم زمین پر آ رہا۔ زمین پر دے مارنے کے بعد رستم اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اور اس نے فوراً اپنا خنجر سہراب کے سینے میں اتار دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی دیر کی تو سہراب زور لگا کر اٹھ کھڑا ہو گا اور پھر اس کو گرانا آسان نہ ہو گا۔

سہراب نے مرتے مرتے کہا کہ "اے خونخوار بوڑھے! مجھے اپنے مرنے کا غم نہیں ہے۔ مجھے تو بس یہی ایک رنج ہے کہ جو حسرت لے کر میں اس لڑائی کے لیے نکلا تھا وہ دل کی دل ہی میں رہی۔ مجھے میری ماں نے میرے باپ کی چند نشانیاں

بتائی تھیں۔ وہ نشانیاں لے کر میں دیوانوں کی طرح ہر ایک سے اپنے باپ کا پتہ پوچھتا رہا مگر یہ خوش نصیبی میری تقدیر میں نہ تھی۔ اب تو اپنی خیر منا۔ اگر تو مچھلی بن کر سمندر میں بھی پناہ لے تو میرے باپ کے قہر سے نہ بچ سکے گا جب میرا باپ یہ سنے گا کہ تو نے مجھے مارا ہے تو وہ تجھ سے بدلہ ضرور لے گا چاہے تو اڑ کر آسمان کا ستارہ ہی کیوں نہ بن جائے۔ ایسا نہیں کہ اس قتل کی خبر میرے باپ رستم کو نہ پہنچے گی۔"

"رستم" کا نام سنتے ہی وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کیا کہا۔ تم رستم کے بیٹے ہو؟ سہراب نے جواب دیا: ہاں۔ میں رستم ہی کا بیٹا "سہراب" ہوں۔ میری ماں کا نام تہمینہ ہے یہ دیکھو وہ مہرہ، جو میرے بازو پر بندھا ہے یہ مہرہ میرے باپ نے میری ماں کو نشانی کے طور پر دیا تھا۔ مہرہ دیکھ کر رستم سکتے میں آگیا اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہو گئی۔ وہ دیوانوں کی طرح چلانے لگا اور اپنے بال نوچنے لگا اور چیخ کر بولا کہ: "رستم تو میں ہی ہوں۔ میں تیری ماں کو، دنیا کو اپنے گھر والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میں نے یہ کیا کیا۔ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا لگایا ہوا پیڑ جڑ سے اکھاڑ دیا۔"

جب سہراب نے یہ سنا کہ اس کا قاتل تو خود اس کا باپ ہے تو اس کی حالت اور بگڑ گئی وہ بابا بابا کہہ کر فریاد کرنے لگا کہ "میں نے محبت سے، غصے سے، طیش دلا کر جوش میں لا کر، ہر طرح آپ سے دریافت کیا کہ آپ رستم تو نہیں ہیں لیکن آپ کے دل میں محبت کی کوئی لہر نہ اٹھی۔ میری تقدیر میں نہ تھا کہ باپ کا سایہ دیکھوں۔ اب اس طرح زار زار رونے سے کیا فائدہ ہے۔ اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے میری زندگی لوٹ تو آئے گی نہیں:" یہ کہتے کہتے سہراب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے بدن سے بہت خون بہہ چکا تھا اور موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ رستم کو کسی کل

چین نہ تھا وہ چیخیں مارتا تھا اور دھاڑیں مار کر گرتا رستم کی آہ وزاری سن کر سہراب نے پھر آنکھیں کھولیں اور کہا کہ۔ اے میرے بابا! اب میری تو زندگی ختم ہو گئی آپ اتنی مہربانی کریں کہ ایرانیوں کو میری فوج پر چڑھ آنے سے روک دیں وہ بے قصور ہیں۔ انہوں نے خود سے نہیں بلکہ میرے کہنے سے جنگ کے لیے ایران کی طرف رخ کیا تھا۔ میرے لشکر میں ایک شخص ہجیر ہے۔ یہ دژ سپید میں تعینات تھا میں نے اسے اسیر کر لیا تھا۔ اس سے میں نے ہر طرح آپ کا پتہ پوچھا مگر اس نے یہی جواب دیا کہ میں رستم کو نہیں جانتا اگر اس نے مجھے دھوکے میں نہ رکھا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ میری آنکھوں نے تو آپ کو پہچان لیا تھا مگر تقدیر نے یاوری نہ کی۔"

رستم کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے اس کا دل خون ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کی فوج جو یہ دیکھنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی کہ آخر رستم پر کیا گذری۔ رستم نے آگے آکر انہیں سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ تم میں سے کوئی تورانیوں پر حملہ نہ کرے۔ اب زیادہ کشت و خون مناسب نہیں۔ اتنے میں اس کا بھائی زوارہ بھاگا ہوا آیا۔ رستم اس سے لپٹ گیا اور رو رو کر بولا۔ اے بھائی مجھے سنبھالو۔ مجھے کسی طرح قرار نہیں۔ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹے کا خون کیا ہے۔ بھائی تم اسی وقت ہومان کے پاس جاؤ اور اس کو سارا قصہ بتاؤ اور میری طرف سے کہو کہ "تلوار میان میں ہی رہے گی۔ رستم اب لڑنے پر آمادہ نہیں ہے" پھر رستم سیدھا ہجیر کے پاس گیا اور اسے زمین پر گرا کر چاہا کہ اسے خنجر مار دے لیکن تمام لوگوں نے رستم سے ہجیر کی جان بخشی چاہی۔ رستم نے کسی نہ کسی طرح ضبط کیا اور ہجیر کو چھوڑ دیا پھر وہ وہاں سے اٹھ کر سیدھا سہراب کے پاس آیا۔ طوس گودرز۔ گستہم وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ سہراب کی حالت دیکھ کر رستم پچھاڑیں کھاتا اور بار بار پتھروں سے سر ٹکراتا تھا۔

ابھی سہراب میں ذرا سی جان باقی تھی کہ اچانک رستم کو یاد آیا کہ شاہ کاؤس کے پاس نوش دارو ہے۔ یہ ایسی دوا ہے کہ گہرے سے گہرے زخم کو ایک لمحے میں اچھا کر دیتی ہے۔ اور مرتے ہوئے کو بھی بچا لیتی ہے۔ اس نے گودرز کو بھیجا کہ فوراً جا کر بادشاہ سے نوش دارو مانگ لاؤ۔ گودرز بھاگا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا اور سہراب کا پورا حال سنا کر درخواست کی کہ تھوڑی سی نوش دارو مل جائے تو اس کڑیل جوان کی جان بچ سکتی ہے اور رستم کا غم مٹ سکتا ہے مگر شاہ کاؤس نے سوچا کہ اگر سہراب بچ نکلا تو ایران کی سلطنت خطرے میں پڑ سکتی ہے کیونکہ سہراب کی ماں آخر تورانی ہے اور کیا عجیب کہ کسی موقع پر سہراب ایران کے خلاف افراسیاب کا ساتھ دے اس نے نوش دارو دینے سے صاف انکار کر دیا۔ گودرز رنجیدہ و شرمندہ رستم کے پاس واپس پہنچا اور کہا کہ تم خود جاؤ تو شاید کاؤس مان جائے اس کی نیت اچھی نہیں ہے۔ رستم کاؤس کی طرف چلا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ ادھر سہراب نے دم توڑ دیا۔ گودرز اور طوس نے ایک تیز رفتار سپاہی کو دوڑایا کہ رستم کو جا کر بتا دو کہ اب دوا مانگ کر کیا کرو گے جانے والا تو جا چکا۔ یہ سنتے ہی رستم غش کھا کر گر پڑا۔ جب کچھ سنبھلا تو روتا پیٹتا۔ ماتم کرتا وہ وہاں سے بیٹے کی لاش پر آیا اور بدحواس ہو کر گر پڑا وہ چیختا تھا اور رو رو کر کہتا تھا۔ اے میرے بچے میرا دل و جگر چاک کر کے اور کمر توڑ کر اس طرح نہ جا جب رستم کو کچھ ہوش آیا تو اس نے تابوت منگوا کر سہراب کا جنازہ اٹھوایا اور لاش کے ساتھ ساتھ اپنے خیمے پر واپس آیا۔ فوجیوں سے رخصت ہو کر لیکن بادشاہ سے ملے بغیر رستم نالہ و زاری کرتا سیستان پہنچا۔ سہراب کی لاش پورے شاہی اعزاز کے ساتھ دفنائی گئی اور سارے شہر نے اس کا ماتم کیا۔

اس حادثے کی خبر سن کر تہمینہ کی دنیا اندھیری ہو گئی لیکن وہ کرتی بھی کیا ایران

و توران کی پرانی دشمنی نے جہاں ہزاروں سر کٹوا دیے تھے وہاں اس سے بھی یہ قربانی لی تھی۔ رستم بھی گوشہ گیر ہو کر سیستان میں بیٹھ گیا اور دونوں ملکوں میں برسوں اس دردناک واقعے کے چرچے ہوتے رہے۔

داستان ہفت خوان رستم

کاؤس ایران کا ایک نامور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے ڈیڑھ سو سال حکومت کی۔ ایک دن وہ اہل دربار کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ اتنے میں مازندران سے ایک مشہور گانے والا اس کے شہر میں آیا اور اس نے بادشاہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور یہ بھی درخواست کی کہ وہ بادشاہ کو گانے سنا کر خوش کرنا چاہتا ہے دربان نے آکر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ گویّے نے بادشاہ کو بربط پر ایک مازندرانی نغمہ سنایا اس کے بعد اس نے بادشاہ کے سامنے کچھ اس طرح مازندران کی خوبصورتی، خوشحالی وہاں کی آب وہوا کی تعریف کی کہ بادشاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اسے مازندران کو فتح کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے اپنے فوجیوں اور سرداروں کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے مازندران فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔ اور طوس گودرز کشواد گیتو، گرگین، بہرام، سبھی بڑے بڑے پہلوانوں نے عرض کیا کہ دیوؤں سے جنگ کا ارادہ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن کاؤس جو کہ ایک ضدی، بد مزاج تھوڑا بہت بے وقوف بھی تھا اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی کاؤس کی ضد کے سامنے پہلوان مجبور ہو گئے لیکن سبھی بادشاہ کے اس ارادے سے پریشان تھے جب کسی کے کچھ نہ سمجھ میں آیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کرکے یہ فیصلہ کیا کہ رستم کے باپ زال کو بلوایا جائے کیونکہ بادشاہ اس کی بات آسانی سے نہیں

تا تھا۔ انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد کو روانہ کیا کہ جا کر زال کو بلا لائے۔ یہ پیغام آتے ہی زال بھی پریشان ہو گیا اور وہ کچھ ساتھیوں کو لے کر ایران کی جانب روانہ ہو گیا۔ دربار میں پہنچ کر زال نے بادشاہ کو تسلیمات کے بعد نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا: اے شاہ نامدار میں نے ایسا سنا ہے کہ آپ شاید مازندران کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ اتنے مشکل کام میں ہاتھ ڈالیں میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی ہمت اور بہادری کی تعریف کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ دنیا ہمیشہ آپ کے نیک کارناموں کا چرچا کرتی رہے۔ دنیا اس بات کو جانتی ہے کہ آپ جمشید جیسے زبردست بادشاہ کی اولاد ہیں۔ لیکن میں ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مازندران کو فتح کرنے کا جو ارادہ کیا ہے اس میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے اور فائدے کی امید کم۔ مازندران کا چپہ چپہ خطرناک دیوؤں سے بھرا ہوا ہے وہ دیو اتنے خوف ناک اور جنگ جو ہیں کہ آپ کی فوجیں ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیں اور اپنے خزانے اور فوج کو برباد ہونے سے بچا لیں۔

شاہ کاؤس نے زال کی بزرگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی باتیں تو سن لیں لیکن اس نے زال کی نصیحت پر کان نہ دھرے بلکہ جواب میں یہ کہا کہ "اے زال آپ جس خطرے کا ذکر کر رہے ہیں میں اس سے پوری طرح آگاہ ہوں مگر اب تو میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ضرور مازندران پر فوج کشی کروں گا اور اسے اپنے قبضے میں لاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس ارادے کو پورا کرنے میں بڑی دشواریاں ہیں۔ لیکن میں ہمت نہیں ہاروں گا۔ مجھے یہ بھی اطمینان ہے کہ جب تک میں مازندران میں جنگ کرنے کے لیے باہر رہوں گا آپ میرے ملک کا انتظام حفاظت

کے ساتھ اور اچھی طرح چلائیں گے لہذا مجھے ملک کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو میری فتح ہوگی۔ زال نے جب یہ دیکھا کہ کاؤس اپنی بات کو پورا کیے بغیر نہ مانے گا تو اس نے بھی خاموشی اختیار کرلی اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ "جیسی آپ کی مرضی" میں تو یہ دعا کرسکتا ہوں کہ خدا آپ کو زندہ اور صحیح سلامت واپس لائے۔ پھر زال نے طوس، گودرز، بہرام اور گیو وغیرہ کو بلایا اور ان سے اپنی اور شاہ کاؤس کی بات چیت کی تفصیل سنائی پھر یہ کہا کہ اب جو ہوا سو ہوا تم لوگ بادشاہ کے حکم کی پوری تعمیل کرو اور دل و جان سے اس کا ساتھ دو۔ اس کے بعد انہیں دعائیں دے کر کوہستان لوٹ آیا۔

زال کے جانے کے بعد کاؤس نے تمام سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ فوراً کوچ کی تیاریاں کرو ہمیں کل صبح ہی روانہ ہونا ہے۔ صبح ہوتے ہی شاہ کاؤس نے کوچ کا نقارہ بجوایا اور میلاد نامی ایک پہلوان کو اپنا نایب مقرر کر کے جنگ پر روانہ ہو گیا۔ جب کاؤس کی فوج اسپ روز نامی پہاڑ کے پاس پہنچی تو شاہ کاؤس نے وہیں خیمے گاڑ دینے کا حکم دیا۔ اگلے دن شاہ کاؤس نے گیو کو حکم دیا کہ تم دو ہزار سپاہی لے کر مازندران کی طرف چلے جاؤ اور جو بھی بستی گاؤں یا آبادی راستے میں پڑے اسے لوٹ کر تباہ کر دو۔ یہ حکم پاتے ہی گیو نکل پڑا اور قتل و غارت مچاتا ہوا شہر مازندران جا پہنچا۔ جب وہ شہر مازندران پہنچا تو وہاں کے حسن، عمدہ آب و ہوا، ہریالی، خوشحالی، اور خوبصورت عمارتوں کی کثرت دیکھ کر اس کو ایسا لگا جیسے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔

گیو اور اس کے فوجیوں نے واپس آکر مازندران کی خوبصورتی اور خوشحالی کی تفصیل بادشاہ کو سنائی۔ شاہ کاؤس نے وہاں کے لوگوں کے حسن وہاں کی خوبصورتی اور خوشحالی کا ذکر اس طرح سنا تو اس کے دل میں مازندران کو فتح کرنے کی آرزو

اور زیادہ ہوگئی۔ اس نے اسی وقت فوج کے کوچ کا حکم دے دیا۔ جب کاؤس کی فوجوں کے بڑھنے کی خبر مازندران کے بادشاہ کو ملی تو گھبرا کر اس نے سنجہ نامی مشہور دیو کے ذریعے پیغام بھیج کر سپید دیو کو بلوایا اور یہ کہا کہ جس حالت میں بھی ہو فوراً مدد کے لیے چلے آؤ ورنہ ایرانی فوج مازندرانی فوج کو تباہ و غارت کر دے گی۔ یہ خبر سنتے ہی سپید دیو غصے میں آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یا نہیں ہونے کی بات نہیں ہے جب تک ہم موجود ہیں کوئی اس سرسبز اور شاداب علاقے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں ایرانی فوج کو مازندران سے بھگا کر ہی دم لوں گا پہاڑ جیسا جسم موٹے موٹے درختوں جیسے ہاتھ پاؤں۔ بڑی بڑی سرخ آنکھیں اور نوکدار سینگ اس شکل و صورت کے ساتھ سپید دیو اپنے غار سے برآمد ہوا اور اس نے اپنی فوجوں کو اکٹھا کیا اور ایرانیوں کو مازندران سے نکالنے کے لیے چل پڑا۔

ادھر کاؤس دشت مازندران میں خیمہ زن اپنے تخت بلور پر جلوہ افروز تھا اور اپنے ہم رکابوں اور سرداروں کے ساتھ مازندران کے حسن کا ذکر کر رہا تھا اور وہاں شاہ مازندران کو گرفتار کرنے کی چالیں اور ترکیبیں سوچی جارہی تھیں سرداروں نے عرض کیا ہم سب اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں سپید دیو سے لڑنے کی طاقت عطا کرے اور اس کے خطرے سے محفوظ رکھے۔ سپید دیو کے جادو کے سامنے ٹھہرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اگر وہ شاہ مازندران کی مدد کو نہ آئے تب تو ہم چشم زدن میں ہی مازندران کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔

صبح سے شام تک کاؤس اپنے فوجیوں اور سپاہیوں سے یہی باتیں کرتا رہا اور وہ اس بھروسہ پر تکیہ بھی کر رہا تھا۔ لیکن رات ہی میں سپید دیو وہاں آپہنچا اور رات کی

تاریکی میں سپید دیو نے آسمان سے بری طرح پتھر برسانا شروع کر دیا۔ کاؤس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کتنے ہی سپاہی جان سے مارے گئے اور کتنے ہی زخمی ہوئے اور جو بھاگ سکے انہوں نے ایران کی راہ لی اور جو نہ بھاگ سکے وہ پکڑے گئے۔ اس سے بڑھ کر آفت یہ آئی کہ سپید دیو نے جادو کر کے کاؤس کو اندھا کر دیا۔ کاؤس کے اندھے ہو جانے سے فوج میں بدحواسی پھیل گئی اور جو کچھ بچی کھچی فوج تھی اسے سپید دیو کے سپاہیوں نے قید کر لیا اور تمام شاہی خزانے لوٹ لیے۔

ایک ہفتے تک شاہ کاؤس اور اس کی فوج بے آب و دانہ پڑی رہی۔ آٹھویں دن سپید دیو شاہ کاؤس کے پاس آیا اور گرج کر بولا کہاں ہے تمہارا عزم اور کہاں ہے تمہاری طاقت جس کے بل بوتے پر تم مازندران کو فتح کرنے نکلے تھے۔ کیا تم یہ بھول گئے تھے کہ وہاں دیو سپید بھی رہتا ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ بہت دن ہوئے میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایرانیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا خدا کی قسم اگر مجھے اس وعدے کا خیال نہ ہوتا تو میں تم کو اور تمہاری فوج کو پیس ڈالتا۔ اب تمہاری یہی سزا ہے کہ تم کو ہمیں کوہ مازندران میں ساری عمر قید رہنا ہے۔ پھر اس نے شاہ کاؤس اور اس کے فوجیوں پر بارہ ہزار خوفناک دیوؤں کا پہرہ بٹھا دیا۔ اور ایرانی خزانہ مازندران کے ایک سردار ارژنگ کے سپرد کر کے واپسی کا نقارہ بجا دیا۔

شاہ کاؤس کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ زال و رستم کی مدد طلب کرے۔ بہت سوچ کر اس نے اپنے ایک سردار کو چپکے سے بلایا اور کہا کہ تم فوراً رستم اور زال کے پاس چلے جاؤ۔ اس سردار کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ کبوتر اور عقاب سے زیادہ تیز رفتار ہے۔ رات کی تاریکی میں وہ

سردار چھپتے چھپاتے سیستان کی طرف روانہ ہوگیا۔ سیستان پہنچ کر اس نے زال کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ خبر سنتے ہی زال کے ہوش اڑ گیے اس نے رستم کو بلایا اور گھبرا کر کہا۔ تم نے سنا ایرانیوں پر برا وقت پڑا ہے۔ ایسے میں ہمیں ایرانیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ تم فوراً مازندران جانے کی تیاریاں شروع کر دو۔ خدا نے تمہیں یہ طاقت اور زور ایسے ہی دنوں کے لیے عطا کیا ہے۔ میری عمر تو دو سو سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ میں اب جنگ کے لائق نہیں رہ گیا۔ تم ہی اس کو انجام دینے کے اہل ہو۔ شاہ کاؤس کو سفید دیو کے جنگل سے رہا کرانا تمہارا پہلا فرض ہے۔" رستم نے جواب دیا" میں جانے کو تیار ہوں لیکن راستہ بہت لمبا ہے۔ کاؤس کو وہاں تک پہنچنے میں چھ مہینے لگے تھے اور اگر میں اتنی دیر بعد وہاں پہنچا بھی تو فائدہ کیا ہوگا:" اس پر زال نے کہا کہ مازندران تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک تو وہی لمبا راستہ جس کا تم نے ذکر کیا دوسرا ایک چھوٹا راستہ ہے اس راستہ سے مازندران پہنچنے میں صرف دو ہفتے لگتے ہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ یہ راستہ بہت خطرناک ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ان خطروں کا مقابلہ آسانی سے کر سکو گے تم اسی راستے سے جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ میں آج ساری رات خدا سے تمہاری سلامتی اور کامیابی کی دعا مانگوں گا۔

رستم نے فوراً سامان سفر درست کیا اور چل پڑا۔ رستم اپنے خوبصورت گھوڑے رخش پر سوار مازندران کی طرف ہوا کی طرح اڑتا ہوا چلا جا رہا تھا یوں سمجھئے کہ دو دن کا راستہ وہ ایک ہی دن میں طے کر رہا تھا اور یہ تو معلوم ہے کہ اس نے چھوٹا والا راستہ یعنی خطرناک راستہ اختیار کیا تھا۔

پہلا خوان

وہ چلا جارہا تھا کہ اسے گنّے کا ایک کھیت نظر آیا جس میں بے شمار گورخر چر رہے تھے۔ رستم کو بھوک تو لگی ہی ہوئی تھی اس نے گھوڑے سے اتر کر فوراً ایک گورخر کو شکار کیا، کاٹا اور کباب لگائے۔ سیر ہونے کے بعد اسے نیند آگئی اور وہ وہیں سوگیا۔ اسی گنّے کے کھیت میں ایک شیر بھی رہتا تھا وہ شیر اتنا خوفناک اور خونخوار تھا کہ ہاتھی نے بھی کبھی اس کھیت میں گنا کھانے کی ہمت نہ کی تھی ابھی رستم کو سوتے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ شیر بھی انسان کی بو سونگھ کر بیدار ہوا اور رستم کے سر پر آدھمکا۔ اس نے دیکھا کہ اس سوتے ہوئے آدمی کے نزدیک ہی ایک گھوڑا بھی مرغزار میں چر رہا ہے۔ شیر نے سوچا کہ پہلے گھوڑے کو ہی پھاڑ کر کھالوں گا تو آدمی کمزور پڑ جائے گا۔ شیر جھپٹ کر رخش کے سامنے آگیا اور چاہا کہ پنجہ مارے لیکن رخش کوئی معمولی گھوڑا نہ تھا پیلے رنگ اور لال بوٹوں والا یہ بہادر گھوڑا رستم کے علاوہ کبھی کسی کے قابو میں نہیں آیا۔ رخش نے جیسے ہی شیر کو حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو وہ خود ایک بھڑکتے ہوئے شعلے کی طرح اس پر آگرا اور اپنی دونوں ٹانگوں کو شیر کے کاندھے پر گاڑ دیا پھر اس نے اپنے تیز دانتوں سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ شیر اور گھوڑے کی کشمکش ان کے پنجوں کی آواز اور گلے کی غراہٹ سے رستم کی آنکھ کھل گئی۔ رستم نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک شیر مرا پڑا ہے۔ اسے بہت تعجب ہوا کہ ایسے خونخوار شیر کو رخش نے کیسے مارا۔ اس نے محبت بھرے لہجے میں رخش کو ڈانٹا کہ "اتنا بڑا خطرہ اسے اکیلے نہ مول لینا تھا اس نے رخش سے کہا کہ آیندہ جب بھی ایسا موقع تم میرے بغیر ہرگز اس پر حملہ نہ کرنا یہ کہہ کر وہ پھر سوگیا اور ساری رات سوتا رہا۔ سویرے جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے منہ ہاتھ دھویا اور پاک وصاف ہو کر خدا کی عبادت کی اور پھر سفر پر نکل پڑا۔

دوسرا خوان

رستم اپنے رخش پر سوار ہو کر مازندران کی طرف منزل پر منزل مارتا، ہوا کی مانند چلا جا رہا تھا راستے میں اسے دور سے ایک بیابان نظر آیا۔ یہ ایسا گرم تھا کہ گویا ہمیشہ وہاں آگ برستی رہتی ہو اگر کوئی پرندہ بھی دھوکے سے اس جنگل کی طرف بھٹک پڑتا تو جل کر کباب ہو جاتا۔ رستم کو اس جنگل سے ہو کر گزرنا تھا اس نے خدا کا نام لے کر اس بیابان میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ وہ گرمی اور پیاس سے نڈھال ہو گیا۔ جب تک اس میں طاقت رہی وہ چلتا رہا لیکن جب وہ بالکل بے دم ہو گیا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور خدا کے سامنے سر بسجدہ ہو کر دعا مانگی اور کہا۔ اے پروردگار عالم! ہم ایرانیوں کی رسوائی اور پریشانیوں کے لیے شاہ کاؤس کی اسیری ہی کیا کم تھی کہ مزید اب تو میری جان لے رہا ہے۔ اگر میں اس خوفناک بیابان میں پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا تو ایرانیوں کا حال اور بھی تباہ ہوگا۔ تو مجھ پر اپنا فضل و کرم فرما۔ اور مجھے اس آفت سے نجات دلوا۔ تاکہ میں اپنے بادشاہ کو دیوؤں کے جنگل سے تو ہمیشہ ستم رسیدہ لوگوں کی مدد کرتا ہے مجھ کو اپنی رحمت سے محروم نہ کر۔ پیاس کی شدت کے باعث یہ کہتے کہتے لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کی زبان پیاس سے اینٹھ گئی تھی اتنے میں اسے اچانک ایک بھیڑ نظر آئی۔ اس کو دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو اس صحرا میں کوئی نہ کوئی چشمہ ضرور ہے ورنہ اس جان لیوا گرم صحرا میں بھیڑ کا کیا کام۔ شاید خدا نے ہماری دعا سن لی ہے اور یہ خدا کی رحمت ہے۔ جو بھیڑ کی شکل میں ہم کو نظر آئی ہے اور مجھ کو اس چشمے کی طرف لے جائے گی جس کو میں خود نہیں ڈھونڈھ پا رہا تھا۔ وہ تلوار ٹیک کر زمین پر کھڑا ہوا اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسری ہاتھ میں رخش کی

لگام تھام کر بھیڑ کے پیچھے آہستہ آہستہ چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ ایک چشمے کے کنارے آپہنچ گیا اس نے سچے دل سے خدا کا شکر ادا کیا۔ چشمے میں کود کر اس نے بدن کو ٹھنڈا کیا اور اپنی پیاس بجھائی اور رخش کو بھی پانی پلایا۔ تازہ دم ہونے کے بعد خدا کی عبادت کی پھر اس کے بعد گورخر کے شکار پر نکل گیا اس نے ایک بہت ہی تندرست اور موٹا تازہ گورخر مارا۔ اسے وہیں بھونا اور کھایا۔ پھر چشمے کے کنارے جاکر سیر ہوکر پانی پیا اور سو گیا مگر اس دفعہ سونے سے پہلے رخش کو یہ سمجھا دیا کہ دیکھو اگر کوئی آفت آئے تو تم خود مت جنگ کرنے لگنا فوراً مجھے جگا دینا۔

رستم کو خبر نہ تھی کہ جس جگہ وہ سویا تھا وہاں ایک نہایت ہی خوفناک اژدہا رہتا تھا۔ وہ اژدہا اتنا خطرناک تھا کہ اگر ہاتھی بھی اس کی زد میں آجاتا تو وہ ہاتھی کو بھی نگل جاتا۔ آدھی رات گذر جانے کے بعد وہ اژدہا شکار کے لیے نکلا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے علاقے میں جہاں شیر اور دیوؤں کو بھی آنے کی مجال نہیں ہے ایک شخص سو رہا ہے اور پاس ہی ایک گھوڑا بھی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً حملے کے ارادے سے رستم کی طرف لپکا۔ رخش تو جاگ ہی رہا تھا اس نے اژدہے کو دور سے ہی دیکھ لیا۔ رخش بھاگتا ہوا رستم کے پاس آیا اور اس نے رستم کو جگانے کے لیے زمین پر ٹاپیں مارنا شروع کر دیں۔ رستم جاگ پڑا سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی خطرہ ضرور ہے۔ رستم نے چاروں طرف گھور گھور کر دیکھا اور کچھ دور تک آگے بڑھ کر بھی تلاش کیا کہ رخش اس کو کس چیز سے آگاہ کر رہا ہے لیکن اژدہا چونکہ چھپ چکا تھا اس سے رستم کو کچھ نظر نہ آیا وہ رخش پر ناراض ہونے لگا کہ تم نے مجھے کیوں جگا دیا اور جاکر سو رہا۔ اس کے سوتے ہی اژدہا اپنی کمین گاہ سے پھر نکلا رخش تو پہلے ہی سے چوکنا تھا اس نے اژدہے کو

فوراً دیکھ لیا۔ اس نے اپنی ٹاپیں زمین پر پھر مارنا شروع کر دیں۔ رستم جاگ اٹھا۔ اس بار پھر رستم نے چاروں طرف غور سے دیکھا لیکن اژدہا تو پھر چھپ گیا تھا۔ جب اسے اژدہا نہ نظر آیا تو وہ رخش پر بری طرح برس پڑا۔ اس نے رخش سے کہا "آخر تم مجھے سونے کیوں نہیں دیتے ہو؟ اگر اس دفعہ تم نے بلاوجہ شور مچایا اور میری نیند خراب کی تو میں تمہارے دو ٹکڑے کر دوں گا چاہے مجھے مازندران تک اپنے سارے ہتھیار لاد کر پیدل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ اس بار پھر ویسا ہی ہوا رستم کے سوتے ہی اژدہا پھر نکل آیا اور پھنکارتا ہوا رستم کی طرف بڑھا۔ اس کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔ رخش تو رستم کی ڈانٹ سن کر ڈر گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں رستم کو جگا تو دوں مگر یہ اژدہا پہلے کی طرح پھر چھپ جائے گا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ گیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اژدہا رستم کی طرف بڑھتا ہی جا رہا ہے اور اگر رستم اب بھی نہ جاگا تو یہ اژدہا اس کو لقمہ بنا لے گا۔ اس نے زور زور سے ہنہنانا اور ٹاپیں مارنا شروع کر دیا۔ اس شور سے رستم کی آنکھ فوراً کھل گئی۔ اور وہ رخش پر بگڑنے لگا مگر اس دفعہ اژدہا اتنا آگے بڑھ آیا تھا کہ اس کو چھپنے کا موقع نہ ملا۔ رستم نے اس کو دیکھ لیا۔ اور تلوار کھینچ کر گرجا۔ "بول رے اژدہے تیرا نام کیا ہے میں ابھی تلوار سے تیرے دو ٹکڑے کیے دیتا ہوں۔ آج کے بعد تو پھر اس دنیا میں نہ رہے گا۔ لیکن اس دنیا سے جانے سے پہلے تو اپنا نام بتاتا جا میں نہیں چاہتا کہ اس دنیا سے تو بے نام و نشاں اٹھے" اژدہے نے جواب دیا کہ "اے بہادری کا دعویٰ کرنے والے شخص مجھے تجھ پر ہنسی آ رہی ہے۔ آج تک حیوان کیا انسان میرے سامنے سے بچ کر نہیں نکلا دیکھتے ہیں کون کس پر غالب آتا ہے میں بھی چاہتا ہوں کہ تو بھی اپنا نام و نشاں بتا دے تاکہ میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے کے بعد تیرے گھر والوں کو تیری

موت کی اطلاع پہنچ جائے۔ رستم نے کہا۔ اے بے خبر کیا تجھ کو میرا نام نہیں معلوم میں رستم ہوں اور مشہور پہلوان سام کی نسل سے ہوں۔ یہ کہہ کر رستم اژدہے پر جھپٹ پڑا۔ اژدہے نے بھی بل کھاتے ہوئے ایک جست لگائی اور رستم کو اپنے جسم میں بری طرح بل ڈال کر جکڑ دیا۔ رستم نے بھی اس کی کمر کو توڑنے اور دو ٹکڑے کرنے میں اپنی پوری طاقت لگا دی۔ لیکن وہ جتنی بھی کوشش کرتا اژدہا اپنے بل اس کے جسم پر اور مضبوط کرتا۔ قریب تھا کہ اژدہے کی سخت گرفت میں آکر رستم کی ہڈیاں چور چور ہو جاتیں۔ لیکن رخش نے جب یہ دیکھا کہ رستم اژدہے کے مقابلے میں پست پڑ رہا ہے تو اس نے ایک زور کی جست لگائی اور جھٹ اپنے دانت اژدہے کی پیٹ میں گاڑ دیے اور منٹوں میں ہی اسی شیر کی طرح اس اژدہے کی پیٹ کو پھاڑ کر رکھ دیا۔ لیکن وہ اژدہا اتنا قوی ہیکل اور طاقتور تھا کہ اس نے رستم کو اس کے بعد بھی نہ چھوڑا۔ جب رستم نے یہ دیکھا کہ پیٹ پھٹ جانے کے بعد بھی اژدہے میں دم خم باقی ہے تو اس نے کسی نہ کسی طرح اپنی تلوار میان سے نکال لی اور ایک ہی وار میں اژدہے کا سر اڑا دیا۔ سر کٹتے ہی اژدہے کے جسم سے خون کا فوارہ ابل پڑا اور دور دور تک زمین خونا خون ہو گئی۔ خود رستم کو بھی حیرت تھی کہ وہ اور اس کا رخش کیسے اس خطرناک اور پہاڑ جیسے اژدہے کے مقابلے میں زندہ بچ نکلے۔ رستم خدا کے سامنے سر بسجدہ ہوا اور رخش کی پیٹ تھپتھپائی پھر چشمے میں نہا دھو کر تازہ دم ہوا چونکہ صبح ہونے کو تھی اس لیے اس نے مزید سونا مناسب نہ جانا اور سفر شروع کر دیا۔

تیسرا خوان

رستم تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ راستے میں ایک ایسا علاقہ ملا جہاں قدم قدم پر دیوؤں اور جادوگروں کا پہرہ تھا لیکن رستم بے خوف و خطر اپنے گھوڑے کو دوڑائے

لیے جارہا تھا۔ وہ تمام دن اسی طرح صرف کرتا رہا شام ہوتے ہوئے اسے راستے میں ایک چشمہ نظر آیا جس کے کنارے درختوں اور جھاڑیوں کے گنجان اور خوبصورت جھنڈ تھے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ شراب کے جام اور کھانے سے بھری رکابیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کھانوں، شراب، اور ایسی خوبصورت جگہ کو دیکھ کر رستم کا دل نہ مانا وہ وہیں اتر پڑا کہ اس تنہائی کے سفر اور مشکل راستے میں یہ کھانے یہ شراب یہ سبزہ خدا کی نعمت نہیں تو اور کیا ہے۔ ان کا لطف نہ اٹھانا خدا کی ناشکری ہو گی۔ وہ چشمے کے کنارے جا بیٹھا۔ ان کھانوں اور شراب کے علاوہ طرح طرح کے باجے بھی موجود تھے جیسے یہاں کسی دعوت کا اہتمام کیا گیا ہو لیکن یہاں نہ کوئی میزبان تھا اور نہ مہمان۔ رستم کو کیا خبر تھی کہ یہ سارا علاقہ جادوئی ہے اور یہ نعمتیں خدا کی طرف سے نہیں بلکہ جادوگری کا کرشمہ ہیں۔ رستم نے طنبورہ ہاتھ میں لیا اور بجانا شروع کر دیا۔ فوراً ہی ایک بوڑھی جادوگرنی نمودار ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو کوئی نہ کوئی اس جادو کے پھندے میں آگیا ہے اس نے رستم کو دھوکا دینے کی خاطر ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کا روپ دھارا اور رستم کے سامنے آئی رستم اس کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ ایسا لگا جیسے کہ وہ نشے میں آ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو۔ اس نے سوچا کہ ایسے خوشگوار موقع سے فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی بدقسمتی اور محرومی ہو گی۔ اپنی زندگی میں ایسے موقعے کہاں آتے ہیں۔ یہاں تو جب دیکھو تب کوئی نہ کوئی مہم، کوئی نہ کوئی جنگ یا کوئی مصیبت درپیش رہتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ اس خوبصورت لڑکی کی طرف بڑھا۔ پہلے تو رستم نے اس لڑکی کی خوب تعریف کی۔ پھر بولا کہ تم میرے لیے خدا کی نعمت کی طرح ہو۔ رستم بے چارے کو کیا خبر تھی کہ وہ عورت خدا کی نعمت نہیں بلکہ ایک خطرناک جادوگرنی ہے۔ لیکن خدا تو رستم پر مہربان ہی تھا۔

جیسے ہی اس جادوگرنی نے خدا کا نام سنا اس پر ایک عجیب خوف کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ رستم یہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اور یہ لڑکی اسے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے گی۔ یہ شک پیدا ہوتے ہی رستم نے نہایت تیزی سے اپنی کمند پھینکی اور اس عورت کو جکڑ لیا اور ڈانٹ کر کہا کہ تو جو بھی ہے فوراً اپنی اصلیت ظاہر کر دے۔ وہ جادوگرنی گھبرا کر فوراً اپنے اصلی روپ میں آگئی لیکن رستم ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اس نے اپنا خنجر نکالا اور اس جادوگرنی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ رستم نے سوچا کہ یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں اس سے وہ رخش پر سوار ہو کر بڑی تیزی سے اس جگہ سے نکل گیا۔

چوتھا خوان

جادوؤں والے باغ سے نکل کر رستم ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ رستم نے سوچا کہ یہ جگہ تو اور زیادہ خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ اس نے اپنے رخش کو ایڑ لگائی اور لگام ڈھیلی کر دی وفادار گھوڑا مالک کے ارادے کو فوراً سمجھ گیا اور چوکڑیاں بھرنے لگا۔ پہاڑیوں اور ندیوں کو پھاندتا ہوا ہوا سے باتیں کرتا ہوا رخش اس خطرناک مقام سے بہت تیز نکل آیا۔ اور ایک ایسی جگہ جا پہنچا جو نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ جگہ جگہ چشمے بہہ رہے تھے۔ اس خوش گوار اور پرکیف سرزمین پر رستم گھوڑے سے اتر پڑا اس نے اپنا خود اور جنگی لباس اتارا اور رخش کی زین اور لگام بھی کھول دی کہ وہ بھی وہیں ہری گھاس میں خوب اچھی طرح سے چرے اور خود سو گیا۔ ابھی وہ سویا ہی تھا کہ اس سبزہ زار کا مالک وہاں آپہنچا اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑا اس کے سبزہ زار میں آزادی سے چر رہا ہے اس کو بہت غصہ آیا کہ میری اجازت کے بغیر میری چراگاہ میں یہ کون گھس پڑا ہے

وہ رستم کی طرف جھپٹا اور گرج کر بولا کہ "تم یہاں کس کی اجازت سے آئے ہو" اور رستم کے پیر پر زور سے لاٹھی ماری۔ لاٹھی کی چوٹ سے رستم کی آنکھ کھل گئی۔ رستم کو بڑا غصہ آیا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھا اٹھا اور اٹھ کر اتنی زور سے اس کے کان پکڑے کہ دونوں کان اکھڑ گیے۔ چراگاہ کا مالک گرتا پڑتا بھاگا۔ اس علاقے میں اولاد نام کا ایک پہلوان رہتا تھا۔ چراگاہ کا مالک اولاد کے پاس اس حال میں پہنچا کہ اس کا چہرہ خون سے تر تھا اور وہ زور زور سے چلا رہا تھا اولاد سے اس نے کہا کہ "اے پہلوان آپ ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ میری چراگاہ میں پہاڑ جیسا انسان آپہنچا ہے اور میری اجازت کے بغیر اس نے اپنے گھوڑے کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے میں نے اسے منع کیا تو اس نے میری یہ حالت کر دی ہے آؤ ہم دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ یہ سنتے ہی اولاد سیدھا چراگاہ میں پہنچا۔ رستم نے جب اسے آتا دیکھا تو فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ لوگ بدلہ لینے آرہے ہیں۔ اس نے بھی اپنی تلوار ہاتھ میں لے لی اور رخش پر سوار ہو کر ان لوگوں کی جانب چل پڑا۔ جب رستم ان کے نزدیک پہنچا تو اولاد نے کہا کہ "تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے؟ کس جگہ کے رہنے والے ہو؟ تم نے یہاں آنے کی جرأت کیسے کی۔ اس کے مالک نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے اس کے کان اکھاڑ دیے میں ابھی تمہارے ہوش درست کر دوں گا" رستم نے جواب دیا کہ تم میرا نام پوچھنا چاہتے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر بادل بھی میرا نام سنے تو کانپ اٹھے اور تم، تمہارا تو سارا خون ہی سوکھ جائے گا۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری فوج اور تم سے ڈر جاؤں گا ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر رستم نے اولاد پر حملہ کیا اور اس کو اپنی کمند میں جکڑ لیا۔

پانچواں خوان

رستم اولاد کو لے کر تھوڑی دور چلا پھر اس نے اولاد سے کہا کہ " اگر تم سفید دیو اور شاہ کاؤس کا پورا پتہ مجھ کو بتا دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا بلکہ انعام بھی دوں گا لیکن اگر دھوکا دیا تو سمجھ لو اب تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے " اولاد نے کہا کہ " میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہاری ان سب جگہوں تک رہنمائی کر دوں گا۔ اور تم مجھ سے جو کچھ پوچھو گے سب صحیح صحیح بتا دوں گا " پھر اولاد نے رستم کو بتایا کہ وہ مقام جہاں شاہ کاؤس قید ہے یہاں سے ابھی سو فرسنگ دور ہے اور وہاں سے سفید دیو کی منزل اس سے بھی سو فرسنگ آگے ہے۔ یہ راستے نہایت پُر خطر اور دشوار گذار ہیں۔ یہ ایسے پُر خطر راستے ہیں کہ بلندی پر اڑنے والا باز اور ہما بھی اس طرف سے گذرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ آج تک کوئی اس راستے سے زندہ نہیں لوٹا۔ جگہ جگہ خوف ناک گہرے گہرے کوئیں ہیں۔ اور ہر ہر قدم پر بھیانک دیوؤں کا پہرہ ہے۔ جو بھی جاتا ہے۔ ان کنوؤں میں گر پڑتا ہے اور اگر بالفرض کنوؤں سے بچ بھی گیا تو خوفناک دیوؤں سے بچنا ممکن نہیں۔ اے بھائی رستم میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ لوٹ چلیں۔ اگر آپ اپنی زندگی سے تنگ ہی آ گئے ہیں تو اور بات ہے۔ بازندران پہنچنے کے لیے ابھی اس کے علاوہ اس سے بھی زیادہ خطرناک سیکڑوں اور مرحلے باقی ہیں۔ ابھی تو ایک ایسے طویل دشت سے گذرنا ہے جہاں پانی ہے نہ سبزہ ہرن بھی آج تک اس دشت سے زندہ نہیں گذر سکا ہے۔ اگر اس دشت سے کوئی گذر بھی جائے تو اس کے فوراً ہی ایک بہت بڑے دریا کا سامنا ہو جس کا پاٹ دو فرسنگ ہے۔ اس کے کنارے دیوؤں کا پہرہ رہتا ہے اور سب سے بڑھ کر جو خطرناک بات ہے وہ یہ کہ ان سب مشکلوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کر کے

کوئی مازندران پہنچ بھی جائے تب بھی وہاں سفید دیو تو ہے ہی اس نے تو اچھے اچھوں کے سر کاٹ کر پھینک دیے ہیں۔ مانا کہ آپ سے بڑھ کر بہادر دنیا میں کوئی نہیں لیکن آپ بھی آخر انسان ہیں۔ انسان اور دیو کا اور وہ بھی سفید دیو جیسے دیو کا کیا مقابلہ۔ رستم اولاد کی یہ بات سن کر ہنسا اور کہنے لگا تم گھبراؤ نہیں میں نے ایسے کئی سر کیے ہیں۔ راستہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اور کتنے ہی خطرناک دیوؤں سے کیوں نہ مقابلہ کرنا پڑے میں اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں۔ بس تم مجھے راستہ بتلاتے رہو، اس کے بعد میں دیکھ لوں گا۔ رستم کو نہ تو بھوک کی پرواہ تھی نہ تھکن لگتی تھی وہ اپنی دھن میں ہوا کی طرح اڑتا چلا جا رہا تھا۔ بہت تھوڑے عرصے میں رستم کوہ اسپ روز جا پہنچا جہاں شاہ کاؤس کی دیوؤں سے جنگ ہوئی تھی اور اسے قید کر لیا گیا تھا وہاں پہنچ کر وہ رات کے لیے وہاں ٹھہر گیا۔ ابھی آدھی رات ہی گذری تھی کہ اسے اس دشت میں ایک شور سنائی دیا۔ اس نے دیکھا کہ دور ایک شہر ہے جو شمعوں کی روشنی میں جگمگا رہا ہے۔ اولاد نے اسے بتایا کہ یہ شہر مازندران کا دروازہ ہے جہاں آدھی رات سے ہی دیوؤں کا پہرہ شروع ہو جاتا ہے تاکہ کوئی دشمن چھپ کر حملہ نہ کر سکے۔ وہ درخت جو آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے اس جگہ پر ارژنگ دیو رہتا ہے یوں تو وہ ہر دم ہی دہاڑتا رہتا ہے لیکن جب کسی کو دیکھ لیتا ہے تو اس کی چیخ اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اس کے زور سے زمین ہلنے لگتی ہے۔ رستم نے کہا "خیر دیکھا جائے گا۔ اس وقت تو ہم لوگ یہیں سوتے ہیں صبح چلیں گے۔"

اگلے دن صبح رستم جب چلنے کے لیے تیار ہوا تو اس نے اولاد کو وہیں ایک درخت میں رسّی سے باندھ دیا۔ اور خود رخش پر سوار ہو کر ارژنگ دیو کی جانب چل پڑا۔ جب وہ ارژنگ کے ٹھکانے کے نزدیک پہنچا تو اس نے پوری طاقت

سے پکارنا شروع کیا کہ ۔ کہاں ہے ارژنگ دیو ؛ اس کی آواز اتنی کرخت اور ہیبت انگیز تھی کہ اس آواز کی دہشت سے پہاڑ بھی لرز اٹھتے تھے۔ رستم کی پکار کو سن کر ارژنگ دیو بھی حیرت میں پڑ گیا کہ وہ اپنے خیمے سے نکل کر رستم کی جانب لپکا۔ رستم نے جھپٹ کر اژرنگ دیو کے کان اور گردن کو پکڑ کر اتنی زور سے دھکا دیا کہ ارژنگ اپنے کو سنبھال نہ سکا۔ رستم نے ارژنگ کو مہلت نہ دی کہ وہ اٹھ کر کوئی داؤں لگائے بلکہ رستم نے ارژنگ دیو کی گردن اڑا دی اور اس کی لاش اسی کے سپاہیوں کے سامنے پھینک دی۔ یہ منظر دیکھ کر اژرنگ کے ساتھی اتنے خوف زدہ ہوئے کہ سب کے سب وہاں سے بھاگ گئے اژرنگ دیو کو موت کے گھاٹ اتار کر رستم کوہ اسپ روز کی طرف لوٹ گیا۔ اور شام ہوتے ہوتے کوہ اسپ روز پہنچ گیا۔ پہنچ کر رستم نے اولاد کے بند کھول دیے اور اور اس کو پورا واقعہ سنایا۔ اولاد رستم کی طاقت اور بہادری پر حیران رہ گیا پھر رستم نے اولاد سے کہا ، کہ اب اس جگہ کا راستہ بتاؤ جہاں بادشاہ قید ہے؛ راستہ معلوم کر کے وہ نکل کھڑا ہوا۔ جب وہ اس شہر کے نزدیک پہنچا جہاں شاہ کاؤس قید تھا تو اس نے نعرہ بلند کرنا شروع کیا تاکہ کاؤس کو اس کی آواز سنائی دے جائے اور وہ سمجھ لے کہ رستم آگیا ہے۔

کاؤس نے جیسے ہی رستم کی آواز سنی وہ مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ۔ اب ہمارے برے دن ختم ہو گئے ۔ اب ہمیں جلد ہی مصیبت سے نجات مل جائے گی ؛ ابھی وہ لوگ یہی باتیں کر ہی رہے تھے کہ رستم وہاں جا پہنچا۔ وہ سیدھا شاہ کاؤس کے پاس گیا اور اس سے لپٹ گیا۔ وہ دونوں بغل گیر ہو کر خوب روئے کاؤس نے اپنے ملک اور اہل ملک کی خیریت پوچھی۔ رستم نے اسے پورے حالات بتائے کہ وہ کن کن مصیبتوں اور آفتوں کو جھیل کر

وہاں تک پہنچ سکا ہے۔ شاہ کاؤس نے بھی اسے آبدیدہ ہو کر اپنے مصیبت کی داستان سنائی۔ پھر شاہ کاؤس نے کہا کہ رخش کو کہیں چھپا دو۔ اگر سفید دیو کو اس کی خبر لگ گئی تو سب کی جان مصیبت میں پڑ جائے گی۔ اور تمہاری محبت بے کار جائے گی۔ رستم نے شاہ کاؤس سے کہا کہ اے شاہ گیتی پناہ! آپ کو سفید دیو سے اب کوئی خطرہ نہ ہونا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو میں اس کا خاتمہ کر دوں گا۔ کاؤس نے رستم کو بتایا کہ سفید دیو تک پہنچنے کے لیے ہفت کوہ کو طے کرنا ہوگا۔ اس ہفت کوہ میں نہایت ہی خونخوار اور خطرناک دیوؤں کا سخت پہرہ ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ میں نے سنا ہے ایک نہایت ہی خطرناک غار ہے گا اس غار میں سفید دیو رہتا ہے۔ اسی سفید دیو نے مجھے اندھا کر دیا ہے شاہی حکیموں کا کہنا ہے کہ میری بینائی اسی وقت واپس آسکتی ہے جب میری آنکھوں میں سفید دیو کے خون کا سرمہ لگایا جائے

رستم بادشاہ کی خدمت میں آداب بجالایا اور اس کو خدا حافظ کہہ کر سفید دیو کے غار کی طرف چل پڑا۔ چلتے وقت رستم نے یہ بھی کہا کہ "اگر سفید دیو نے مجھے مار ڈالا تو یہ سمجھئے کہ میری جان آپ کے کام آئی اور اگر میں فتح یاب ہوا تو آپ انشاء اللہ بھلے چنگے ہو کر اس منحوس قید سے آزاد ہو جائیں گے۔

رستم دہاں سے اولاد کو لے کر ہفت کوہ کی جانب چل پڑا نہ تو اسے بھوک کا خیال تھا اور نہ ہی تھکن کا۔ اسے تو بس سفید دیو تک پہنچنے کی فکر لگی ہوئی تھی۔ جب وہ غار کے نزدیک پہنچا تو اس نے اولاد سے کہا کہ "میں تم سے جو کچھ پوچھوں تم چپ چاپ بتاتے جاؤ پھر دیکھو میں کس طرح ان دیوؤں کے کشتوں کے پشتے لگاتا ہوں۔ اولاد نے رستم سے بتایا کہ سفید دیو رات بھر تو جاگتا ہے مگر سورج نکلتے ہی سو جاتا ہے۔ دن کے وقت اس کے غار میں جانا زیادہ مناسب ہے

اسے سوتے میں مارنا آسان ہوگا۔ یہ بات رستم کو معقول معلوم ہوئی اور وہ وہیں رک گیا۔

دوسری دن جب سورج نمودار ہوا تو رستم نے اولا کو پھر وہیں باندھ دیا اور خود اکیلا سفید دیو کی تلاش میں چل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور وہ دہاڑتا ہوا اور للکارتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ غار کے نزدیک پہنچا تو وہاں اسے دیوؤں کی ایک بڑی فوج نظر آئی جو سفید دیو کی حفاظت کے لیے پہرے پر مقرر تھی۔ رستم دندناتا ہوا دیوؤں کی صفوں کو چیرتا ہوا گھسا دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سیکڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کشت و خون کو دیکھ کر فوج میں بھگدڑ مچ گئی رستم دیوؤں کی فوج کو راستے سے صاف کر کے سیدھا اس غار کے منہ پر پہنچا جس میں سفید دیو سو رہا تھا۔ وہ غار اتنا گہرا اور تاریک تھا کہ لگتا تھا کہ جو اس میں جائے گا وہ نکل نہ پائے گا۔ مگر رستم نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے وہ خدا کا نام لے کر غار میں کود پڑا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ دور دور تک اس کے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔ اور وہ ہر طرف سفید دیو کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اسے اس غار میں پہاڑ جیسی کوئی چیز دھندلی دھندلی دکھائی دی۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ دراصل سفید دیو ہے جو دور تک پھیلا ہوا سو رہا ہے۔ اس کے بدن پر شیر کی طرح بڑے بڑے بال تھے لیکن اس کا منہ بالکل کالا تھا۔ رستم کے قدموں کی گونج اور اس کے دہاڑنے کی آواز سے سفید دیو جاگ پڑا وہ گرج کر بولا "کس نے میری نیند خراب کی ہے" رستم پہلے تو اسے اور اس کے زور کو دیکھ کر دہل گیا۔ لیکن پھر ہمت سے کام لے کر اس نے یک بارگی شیر کی مانند جست لگائی اور اس کی پیٹھ پر زور سے تلوار ماری۔ سفید دیو رستم کے وار کی تاب نہ سکا اس نے اپنا پاؤں زور سے

زمین پر پٹکا لیکن اپنے ہی زور اور طاقت کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی پھر بھی وہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر مقابلہ کرتا رہا۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے اور آپس میں زور آزمائی کرنے لگے۔ زخموں سے خون اس طرح بہہ رہا تھا کہ سارے غار میں خون کی ندّیاں بہہ نکلیں رستم نے سفید دیو پر قابو پالیا اور اسے اٹھا کر دے مارا۔ سفید دیو کے جسم کی ایک ایک ہڈی چکنا چور ہو گئی۔ اس کے بعد رستم نے اپنے خنجر سے سفید دیو کا پیٹ چاک کر کے اس کا کلیجہ نکال لیا تاکہ اس کے خون سے بادشاہ کے اندھے پن کا علاج ہو سکے۔ اس کے بعد وہ سیدھا اولاد کے پاس آیا اس کے بند کھولے اور اس سے کہا کہ لو میں سفید دیو کا جگر اپنے ساتھ لے آیا ہوں پھر وہ دونوں تیز تیز بادشاہ کے پاس چل دیے۔ راستے میں ڈرتے ڈرتے اولاد نے رستم سے پوچھا کہ۔ اے انسانوں میں شیر کی سی طاقت رکھنے والے پہلوان! میں آپ کا حکم بجا لایا اور جو جو آپ مجھ سے پوچھتے گئے میں سب صحیح صحیح بتاتا گیا۔ اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے مازندران کا بادشاہ بنا دینگے۔ میں اسی وعدے کے پورا ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ رستم نے جواب دیا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے بس ذرا اور صبر سے کام لو۔ ابھی شاہ کاؤس کو آزاد کرانا ان کی آنکھوں کا علاج کرنا اور شاہ مازندران پر حملہ کر کے اسے شکست دینا تو باقی ہی رہ گیا ہے میں یہ مرحلے اور حل کر لوں اس کے بعد تم آزاد ہو۔

یہ لوگ باتیں کرتے ہوئے شاہ کاؤس کی جانب چلے جا رہے تھے۔ ادھر شاہ کاؤس اور دیگر سبھی امرا کو بھی شدّت سے رستم کا انتظار تھا۔ انہیں یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ خدا نخواستہ رستم کسی آفت میں پھنس گیا ہو۔ ہر وقت یہی چرچے تھے کہ سفید دیو جیسے خطرناک دشمن کو شکست دینا آسان نہیں۔ اتنے میں

رستم وہاں جا پہنچا۔ رستم کو فتح مند اور کامیاب دیکھ کر شاہ کاؤس اور ان کے ساتھیوں کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ سب نے خدا کے حضور میں سجدۂ شکرانہ ادا کیا اور ایک آواز ہو کر مبارک باد اور زندہ باد کے نعرے بلند کیے۔ شاہ کاؤس نے رستم کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "اے نامور پہلوان۔ آپ ایران کی آبرو ہیں اگر آپ نہ ہوتے تو یہ کیانی خاندان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔ ایران کی تاریخ آپ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ میں آپ کی شکل دیکھنے کو ترس رہا ہوں۔ فوراً میری آنکھوں میں سفید دیو کے جگر کے خون کے قطرے ٹپکائیے تاکہ میری بینائی واپس آجائے۔ رستم نے جیسے ہی خدا کا نام لے کر دیو سفید کے جگر کے خون کے قطرے بادشاہ کی آنکھ میں ڈالے ویسے ہی اس کی بینائی لوٹ آئی روشنی واپس آنے کے بعد شاہ کاؤس نے رستم کو لپٹا لیا۔ اس کے بعد خدا کے حضور میں سپاس گذار ہوا اور رستم کی اقبال مندی اور حیات کی دعا مانگی۔ پھر اس نے باقاعدہ دربار طلب کیا اور اپنے سرداروں جیسے گودرز، کشواد، گیسو۔ طوس۔ گرگین وغیرہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ سب نے ایک آواز ہو کر یہی رائے دی کہ جب ہم لوگ یہاں تک آئے ہیں اور اتنی تکلیف اٹھائی ہے تو اب مازندران کو فتح کیے بغیر لوٹنا عقل مندی نہیں ہے۔ بادشاہ نے ان کی بات پسند کی۔ اس کامیابی کی خوشی میں اس مقام پر ایک ہفتے تک جشن منایا گیا۔ آٹھویں دن وہ لوگ مازندران کی طرف چل پڑے تمام دن فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ شام کے وقت شاہ کاؤس نے جنگ بندی کا حکم دیا اور کہا کہ اب ہم لوگوں نے مازندران کو پوری سزا دے دی ہے اب ہمیں اور زیادہ مار کاٹ اور قتل و غارت سے کام نہیں لینا چاہیے اس سے بہتر ہے کہ ہم مازندران کے بادشاہ کے پاس یہ پیغام بھیجیں کہ اب اسے ہماری برتری اور طاقت

کالو ہاماں لینا چاہیے۔ اور جنگ کیے بغیر ہی تخت و تاج ہمارے حوالے کر دینا چاہیے سب نے شاہ کاؤس کے اس خیال کی تائید کی۔ شاہ کاؤس نے شاہ مازندران کے نام اسی مضمون کا خط لکھا اور فرہاد نامی پہلوان کے ہاتھوں یہ خط اسے بھیج دیا۔ لیکن مازندران کا بادشاہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں چور تھا۔ اس نے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ کون برتر ہے اور کس کو کس پر فوقیت حاصل ہے اس کا فیصلہ کل میدان کارزار میں ہوگا۔

فرہاد یہ جواب لے کر شاہ کاؤس کے پاس لوٹ آیا۔ لیکن شاہ کاؤس جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ بغیر خون ریزی معاملات طے ہو جائیں تو بہتر ہے۔ اس لیے اس نے اس بار مازندران کے بادشاہ کے پاس خود رستم کو بھیجا رستم خط لے کر شاہ مازندران کے پاس پہنچا لیکن شاہ مازندران نے رستم کی بھی ایک نہ سنی۔ بالآخر شاہ کاؤس کو جنگ کے لیے آمادہ ہونا ہی پڑا۔ دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے ہوئیں اور زبردست جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ ایک ہفتے تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے مازندرانی فوجوں کو بُری طرح شکست دی۔ مازندران کے بادشاہ نے جادو کے زور سے اپنے بدن کو پتھر کی طرح سخت کر لیا تھا تاکہ اسے کوئی مار نہ سکے لیکن رستم کے ہاتھوں سے وہ بھی نہ بچ سکا۔ رستم نے اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے۔ شاہ کاؤس نے دو ہفتے وہاں اور قیام کیا۔ جو بھی مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا اسے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔ اور رستم کے کہنے پر اولاد کو وہاں کا بادشاہ بنا کر ایران لوٹ آیا۔

ہفت خوان اسفندیار

توران کے بادشاہ ارجاسب نے ایران کے بادشاہ گشتاسپ کو ایک لڑائی میں شکست دی تھی۔ اور اس کی دو لڑکیوں کو اٹھا لے گیا تھا۔ ارجاسب سے بدلہ لینے کے لیے اسفندیار اپنے باپ گشتاسپ سے اجازت لے کر شہر بلخ سے روئیں دژ کی طرف اپنی فوج لے کر بڑھا۔ کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ ارجاسب روئیں دژ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اسفندیار نے گرگ سار نامی پہلوان کو بھی راہ نمائی کے لیے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ کئی دن چلنے کے بعد اسفندیار ایک دوراہے پر پہنچا۔ اس نے گرگسار سے پوچھا کہ یہاں سے توران کتنی دور ہے اور اس دوراہے سے کس طرف چلنا چاہیے۔ گرگسار نے جواب دیا کہ یہاں سے توران پہنچنے کے لیے تین راستے ہیں پہلا راستہ جس میں پانی، آبادی، سبزہ، ہر طرح کی رونق اور آسانی ہے وہ تین مہینے کا راستہ ہے، دوسرا راستہ جو جنگلوں سے ہو کر گذرتا ہے اس سے دو مہینے لگتے ہیں، اور تیسرا ہفت خوان کا راستہ ہے جس میں قدم قدم پر آفتیں اور دشواریاں ہیں۔ ہفت خوان کو طے کرنے میں صرف ایک ہفتہ لگے گا۔ راستے راستے میں کہیں بھیڑیے ہیں کہیں شیر تو کہیں اژدہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس راستے میں جگہ جگہ ایسی تیز آندھیاں چلتی ہیں کہ بڑے سے بڑے درخت بھی ٹوٹ کر گر جاتے ہیں۔ اگر فرض کیجیے کوئی ان آفتوں کو جھیل بھی جائے تب بھی قلعہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ قلعہ خود بہت اونچا ہے بھی نہیں اس کے چاروں طرف گھری

خندق ہے جس میں بہت تیز پانی بہتا رہتا ہے، یہ خندق اتنی چوڑی ہے کہ کشتی کے بغیر اس کو پار بھی نہیں کر سکتے۔ خود بادشاہ کو جب قلع کے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ کشتی پر سے ہی گذرتا ہے قلع اندر سے اتنا وسیع اور سرسبز وشاداب ہے اور اس میں ہر طرح کی ضروری چیزیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ اگر آپ سو سال تک گھیرا ڈالے پڑے رہیں تو قلع کے رہنے والوں کو کسی چیز کی کمی نہ ہو گی۔

جب اسفند یار نے گرگسار کی یہ باتیں سنیں تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ غور و فکر کے بعد اس نے کہا مجھے تو بہت جلدی ہے۔ میرے پاس ہفت خوان کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اس پر گرگسار بولا یہ آپ کی مرضی ہے لیکن میں نے تو اس راستے سے کسی کو زندہ سلامت نکلتے دیکھا نہ سنا لیکن اسفندیار نے اس کی نہ سنی اور فوج کو ہفت خوان کی طرف سے چلنے کا حکم دے دیا۔

سفر کی پہلی منزل میں اسفند یار کو بھیڑیوں کے ایک خوں خوار جوڑے کا سامنا کرنا پڑا یہ بھیڑیے عام بھیڑیوں سے بہت زیادہ بڑے اور انسانوں کے خاص دشمن تھے لیکن اسفندیار نے انہیں مار گرایا۔ دوسری منزل پر اس کو ایک بہت ہی خوفناک شیر ملا۔ اس کے بھی اسفندیار نے ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر دیے۔ تیسرے خوان پر خطرناک اژدہے تھے، چوتھے خوان پر ایک جادوگرنی پانچویں خوان پر سیمرغ۔ اسفندیار نے انہیں ہلاک کر کے اپنا راستہ صاف کیا۔ جب یہ پانچ خوان پورے ہو گئے تو اسفندیار نے گرگسار کو بلا کر کہا کہ " اے رپوک پہلوان دیکھ تو جن چیزوں کو غیر معمولی آفتیں سمجھ رہا تھا میں نے کس سانی سے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب تو کیا کہتا ہے " اس پر گرگسار نے گڑگڑا کر کہا کہ جو آپ نے کہا وہ سب ٹھیک ہے لیکن اب دیکھنا ہے کہ کل

آپ کیا کرتے ہیں۔ کل ایسی آفت کا سامنا ہے جسکا مقابلہ تلوار سے نہیں کیا جا سکتا۔ اب جو راستہ ہے اس میں پہلے تو پورے ایک نیزے کی اونچائی کے برابر برف جمی ہوئی ہے یہ وہ راستہ ہے جس میں نہ تو گرز آپ کی مدد کر سکتا ہے نہ تلوار۔ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا جو اس برف کے راستے سے زندہ بچ نکلا ہو۔ جو بھی گیا اسی برفستان میں دفن ہو گیا۔ اور آپ کا بھی یہی انجام ہو گا۔ تیز ہواؤں کا یہ عالم ہے کہ زمین پھٹ جاتی ہے اور درخت اکھڑ جاتے ہیں۔ اپنے فوجیوں کی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے بہتر ہے کہ اب بھی آپ راستہ بدل دیجیے اور دوسرے راستے کو اختیار کریجیے برفستان کے بعد والی منزل کا تو عالم اس سے بھی زیادہ ڈراؤنا اور دشوار ہے۔ تیس فرسنگ کا یہ راستہ تو ایسا ہے کہ جس میں نہ پانی ہے نہ سبزہ۔ بس ریت ہی ریت ہے اور گرمی کی شدت کی وجہ سے پورا علاقہ جہنم کو مات کرتا ہے اس راستے سے نہ تو شیر گذر سکتا ہے اور نہ گدھ یہاں تک کہ چیونٹی اور ٹڈی بھی اور زمین سے لگ کر چلنے والا سانپ بھی اس علاقے سے دور بھاگتے ہیں۔ دس فرسنگ کا برفستان، اور تیس فرسنگ کا صحرا یہ چالیس فرسنگ اگر کوئی پار کر لے تب جا کے روئین دژ پہنچ سکتا ہے۔ روئین دژ کا حال تو میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔ سمجھ لیجیے کہ ایران و توران کے مانے ہوئے تیر انداز بھی تمام کے تمام مل کر حملہ کریں اور تیر برساتے رہیں تب بھی قلعہ فتح نہ ہو گا۔ ایرانی پہلوان کرگسار کی ان باتوں کو سن کر بہت خوف زدہ ہوئے۔ سب نے اسفندیار سے درخواست کی کہ۔ آپ اس راستے کو چھوڑ دیجیے۔ خود کو اس طرح موت کے منہ میں ڈالنا عقلمندی نہیں ہے۔ اسفندیار نے پہلوانوں سے کہا کہ۔ تم ایران سے میرے ساتھ پند و نصیحت کے لیے آئے ہو یا کارنامے انجام دینے کے لیے تم سب اگر

خطرہ محسوس کرتے ہو اور اپنی بھلائی اسی میں دیکھتے ہو کہ آگے نہ جایا جائے تو تم ضرور لوٹ جاؤ۔ میں تو مقصد برآری سے پہلے نہیں لوٹوں گا۔ میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں مجھے تم لوگوں کے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ سختیوں اور دشواریوں کی وجہ سے میری جان جائے گی۔

جب ایرانیوں نے اسفند یار کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بھی بڑی غیرت آئی اور انہوں نے اسفند یار سے معافی مانگی انہوں نے کہا کہ ہم لوگ غلطی پر تھے۔ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں ہیں۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ جو کہیں گے وہی ہوگا۔ ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

اسفندیار نے اور زیادہ دیر ٹھہرنا عقل مندی نہ سمجھا اور فوراً کوچ کا حکم دے دیا۔ اسفندیار اور اس کی فوج بھڑکتے ہوئے شعلوں کی مانند گرم رفتار تھی۔ ایک جگہ اسفندیار نے حکم دیا کہ یہاں ذرا رک کر آرام کیا جائے۔ خیمے وہیں گاڑ دیے گئے۔ محفل آراستہ کر دی گئی۔ سب لوگ شراب و سرور میں محو تھے کہ اتنے میں موسم خراب ہو گیا اور آسمان سے دفعتاً برف باری شروع ہو گئی۔ تین دن تک یہی موسم رہا۔ فوجوں کا آگے بڑھنا تو کیا خیمے سے قدم نکالنا بھی ناممکن ہو گیا۔ ہر طرف اتنی برف پڑی ہوئی تھی کہ راستہ نظر نہ آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ سب لوگ انہیں خیموں کے نیچے دفن ہو جائیں گے۔ غضب کی سردی تھی اور ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اب تو اسفندیار بھی گھبرایا۔ لیکن وہ ہمت نہ ہارا اس نے اپنے سپہ سالار سے کہا کہ یہاں تو بہادری، اور تلوار اور ہتھیار سب ہیچ ہیں۔ ہم سب لوگ اب خدا سے دعا مانگیں۔ وہی ہم کو اس آفت سے چھڑائے گا۔ ساری فوج اور اسفندیار بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہے اور دعائیں مانگتے رہے خدا نے ان کی سن لی۔ دھیرے دھیرے

موسم صاف ہونے لگا. تین دن تو یہ لوگ آگے نہ بڑھ سکے لیکن چوتھے دن جب موسم صاف ہو گیا تو فوج نے کوچ کیا. جب وہ آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ راستہ تو بالکل صاف اور ہموار ہے اور کرگسار نے جو کچھ کہا تھا وہ سب ڈرانے کے لیے تھا تاکہ ارجاسپ ان کے حملے سے بچ جائے نہ وہ برف کا سنگین پہاڑ ہے اور نہ وہ ریگستان اور بیابان جس کا کرگسار نے ذکر کیا تھا تو اسفندیار نے اس دھوکے بازی کی بنا پر کرگسار کا سر قلم کر دیا۔ فوج پھر آگے چل پڑی راستے میں ایک جگہ اسفندیار کو دو تورانی نوجوان نظر آئے. اسفندیار نے انہیں قید کر لیا اور اس نے روئین دژ کا راستہ پوچھا اور دھمکی دی کہ اگر تم سچ سچ نہ بتاؤ گے تو میں تمہیں مروا دونگا۔ جان کے خوف سے ان نوجوانوں نے سارے راستے اور راز اسفندیار کو بتا دیئے۔

اب روئین دژ تک پہنچنے کے سارے طریقے اسفندیار کو معلوم ہو چکے تھے بس کس طرح پہنچا جائے کہ دشمن کو اس کی خبر نہ لگ سکے اسی ایک ترکیب کی اسے تلاش تھی. اس نے پشوتن سے اس سلسلے میں مشورہ کر کے طے کیا کہ تاجر کی شکل میں شہر میں داخل ہونا چاہیے اس کے بعد اس نے فوج کو پشوتن کے حوالے کر دیا اور نصیحت کی کہ ہردم چوکس رہے اور پڑاؤ میں تھوڑی سی نگہبان فوج ہر وقت گھومتی رہے. اسی نے پشوتن کو یہ ہدایت بھی کی کہ جب تم قلعے سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب حملے کا وقت ہے۔ تم ساری فوج لے کر قلع پر آ پڑنا. پھر اسفندیار نے سو اونٹ اور اسی صندوق منگوائے۔ اس نے اپنی فوج میں سے ایک سو اسی بہادروں کو چنا ان میں سے اسی کو تو اس نے صندوقوں میں بند کر دیا اور باقی سو کو اونٹوں کا ساربان مقرر کیا۔ اسی اونٹ تو صندوقوں کو بار کرنے کے کام آئے اور بقیہ اونٹوں پر اس نے

سونا چاندی جواہرات اور قیمتی کپڑے لدوائے اور خود تاجر کا بھیس بنا کر اس کارواں کے ساتھ روئین دژ کو چل دیا۔

قلعے کے محافظوں نے اسفندیار کو معزز تاجر سمجھ کر کوئی خاص پوچھ گچھ نہیں کی اور وہ قلعہ میں آسانی سے داخل ہوگیا تورانی سرداروں کو جب معلوم ہوا کہ کوئی نیا تاجر آیا ہے اور اس کے پاس بہت سے قیمتی سامان اور کپڑے ہیں تو ان سب کو شوق پیدا ہوا کہ چل کر اس تاجر سے ملیں اور اس کے سامان کو دیکھیں۔ لیکن جب لوگ تاجر (اسفندیار) کے پاس آئے تو اس نے سب کو یہی جواب دیا کہ پہلے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا پھر کسی سے بھی کاروبار نہیں کروں گا۔ یہ خبر ارجاسپ تک بھی پہنچ گئی ایک بہت بڑا تاجر آ کر قلعے میں اترا ہے اس نے فوراً حکم دیا کہ اس تاجر کو ایک بڑی عمارت میں شاہی مہمان کے طور پر ٹھہرایا جائے۔ شاہی عمارت میں اتر کر اسفندیار نے اپنا سارا سامان نمائش کے لیے آراستہ کر دیا۔ خریداروں کا تانتا بندھ گیا یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا۔ سورج غروب ہوتے ہوتے سب خریدار چلے گئے۔ اتنے میں اسفندیار کی دونوں بہن جنہیں ارجاسپ نے پانی بھرنے کی خدمت پر لگا رکھا تھا اس کے پاس یہ سوچ کر آئیں کہ شاید اس اجنبی سے انہیں کچھ اپنے وطن اور اپنے باپ بھائی کی خبر مل سکے۔ بہنوں کو دیکھتے ہی اسفندیار کا دل بے قابو ہوگیا اسفندیار کے اضطراب کو دیکھ کر اس کی بہن ہما کو شبہ ہوا کہ تاجر کے بھیس میں یہ کوئی اور معلوم ہوتا ہے جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ یہ تو اس کا اپنا بھائی اسفندیار ہے۔ اپنی بہنوں کو واپس پا کر اسفندیار کا اصل مقصد تو پورا ہو چکا تھا لیکن بدلہ لینا باقی تھا اس لیے اس نے ضبط سے کام لیا اور بہنوں کو ہدایت کی کہ خبردار ابھی اس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ اگلے دن اسفندیار بادشاہ کی خدمت میں سلام

کے لیے حاضر ہوا۔ تسلیمات بجا لانے اور نذر پیش کرنے کے بعد اسفندیار نے کہا۔ جب میں سفر کر رہا تھا تو ایک بلا میں گرفتار ہو گیا تھا کہ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ اس سے بچ نکلوں گا۔ اس وقت میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اگر اس بلا سے زندہ بچ نکلا تو ایک بہت ہی پُر تکلف محفل آراستہ کر دوں گا اور اس میں شہر کے تمام نامور لوگوں کی دعوت دوں گا۔ میری درخواست ہے کہ آپ مجھے اس کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ ارجاسب نے اس کی یہ درخواست مان لی۔ اسفندیار خوشی خوشی اپنے ٹھکانے پر واپس آیا اور دن بھر جلسے کا انتظام کرتا رہا۔ شام کو محفل جمی۔ یہ محفل اتنی شاندار تھی کہ روئین دژ کے بڑے بڑے لوگوں نے بھی کبھی ایسا جلسہ نہ دیکھا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ میرے لیے خوشی کا موقع ہے اس لیے میں مقدس آگ روشن کرنا چاہتا ہوں اس نے اتنی تیز آگ روشن کی کہ اس کے شعلے آسمان تک اٹھتے دکھائی دینے لگے۔

ادھر پشوتن نے لوگوں کو اس کام پر مقرر کر رکھا تھا کہ ہر وقت قلع کی طرف دیکھتے رہیں اور جب آگ دکھائی دے تو آکر اس کو خبر دیں۔ آگ کی خبر ملتے ہی پشوتن فوج لے کر قلع پر چڑھ دوڑا۔

فصیل کے محافظوں نے ارجاسپ کو خبر دی کہ ایک فوج قلعے پر چڑھی چلی آرہی ہے۔ ارجاسپ نے یہ خبر پاتے ہی فوراً کہرم کو حکم دیا کہ آنے والی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ حکم دے کر ارجاسپ آرام گاہ کو واپس ہو گیا۔

جب جشن اپنے پورے شباب پر تھا تو اسفندیار کا اشارہ پا کر صندوقوں کے منہ کھول دیے گئے صندوق کے کھلتے ہی تمام چھپے ہوئے فوجی باہر نکل آئے پہلوانوں نے ارجاسپ کے محل کی راہ لی اور لڑتے بھڑتے وہاں تک پہنچ گئے یہ شور سن کر ارجاسپ کی آنکھ کھل گئی۔ جب اس نے یہ کشت وخون دیکھا

تو سمجھ لیا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور تاجر کے بھیس میں اس کا کوئی دشمن ہے۔ اس نے فوراً جنگ کا حکم دے دیا۔ لیکن اتنی دیر میں اسفندیار کی فوج بھی قلعے میں داخل ہو چکی تھی اور ارجاسپ کے محل کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ دونوں فوجوں میں بڑی زبردست لڑائی ہوئی۔ اب اسفندیار ارجاسپ کے سامنے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوا اور بولا میں کوئی تاجر نہیں بلکہ اسفندیار ہوں۔ یہ سنتے ہی ارجاسپ کے پیروں تلے زمین کھسک گئی اس نے بھاگنا چاہا لیکن اسفندیار نے اسے موقع نہ دیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر اس کی فوجوں کے سامنے لا کر پھینک دیا۔ بادشاہ کی موت سے تورانیوں کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے سرداروں نے اسفندیار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اسفندیار نے فتح یاب ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اپنی بہنوں کو بلا کر انہیں عزت و اکرام سے اپنے پاس بٹھایا اور مناسب وقت پر بے انتہا مالِ غنیمت اور شان و شوکت کے ساتھ ایران واپس بھجوا دیا۔ توران پر کچھ دن قابض رہنے کے بعد اسفندیار بھی اسی ہفت خوان کی راہ سے ایران واپس چلا گیا۔

گشتاسپ کی بادشاہی

ایران کے مشہور بادشاہ لہراسپ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام تھا گشتاسپ اور دوسرے کا زریر۔ یہ دونوں ہر طرح کے ہنر سے آراستہ اور ہر فن میں یکتا تھے گویا کہ ان میں بادشاہ بننے کی پوری لیاقت موجود تھی۔ گشتاسپ اور زریر کے علاوہ دو اور شہزادے جو کہ بادشاہ کاؤس کے خاندان کے تھے وہ بھی لہراسپ کے یہاں پرورش پا رہے تھے۔ لہراسپ ان دونوں کو بہت محبت کرتا تھا گشتاسپ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں بہت کڑھتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل میں ان دونوں شہزادوں کی طرف سے نفرت اور باپ کی طرف سے بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایک دن لہراسپ نے اپنی حکومت کے مشہور شہر فارس میں ایک جشن کا انتظام کیا۔ اس جشن میں ملک کے تمام بڑے بڑے لوگ لائے گئے۔ گشتاسپ تو پہلے ہی سے تیار تھا اس نے سوچا کہ لہراسپ کے سامنے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کا یہ موقع اچھا ہے اس وقت ملک کے اور بڑے بڑے لوگ بھی موجود ہیں اس نے سب کے سامنے پہنچ کر اس نے لہراسپ کو برا بھلا کہا کہ آپ نے باہر کے دو شہزادوں کو اپنے سر پر چڑھا رکھا ہے اور ہم لوگوں کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ہم آپ کے بیٹے ہیں۔ میں بڑا بیٹا ہوں اس لیے آپ کو چاہیے کہ مجھے آپ اپنا ولی عہد مقرر کر دیں۔ لہراسپ نے نرمی سے جواب دیا اور اسے سمجھایا کہ ابھی ولی عہد مقرر کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔

گشتاسپ باپ کے اس جواب سے بہت ہی مایوس ہوا۔ اور رات کو اپنے چند نوکروں کے ساتھ ہندوستان کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

جب لہراسپ کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے فوج کے بڑے بڑے سرداروں کو حکم دیا کہ فوجیں لے کر جاؤ۔ گشتاسپ نے بڑی نادانی کی ہے وہ جہاں بھی ہو جس حال میں بھی ہو اسے سمجھا بجھا کرلے آؤ۔ بادشاہ کا حکم سنتے ہی تمام سردار الگ الگ راستوں پر نکل پڑے۔ کوئی روم کی طرف چلا کوئی چین کی طرف اور کوئی ہندوستان طرف۔

ادھر گشتاسپ کا یہ حال تھا وہ منزلیں طے کرتا ہوا تھوڑے ہی عرصے میں کابل پہنچ گیا۔ کابل اس کو اتنا پسند آیا کہ اس نے سوچا کہ کچھ دن یہیں ٹھہر کر تفریح کی جائے۔ چنانچہ وہ وہیں رُک گیا۔ ادھر زریر نامی پہلوان اس کے پیچھے آندھی کی طرح چلا آرہا تھا۔ جب وہ کابل کے اس باغ کے نزدیک پہنچا جس میں گشتاسپ ٹھہرا ہوا تھا، تو اس کے اور اس کی فوج کے گھوڑوں کی ٹاپیں باغ میں گونج اٹھیں۔ گشتاسپ سمجھ لیا کہ کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے۔ ابھی گشتاسپ سوچ ہی رہا تھا کہ آنے والے کا خیر مقدم کس طرح کیا جائے کہ زریر گھوڑا دوڑاتا ہوا اندر آپہنچا اور گشتاسپ کو دیکھ کر فوراً پیدل ہو گیا تاکہ مصافحہ کرے اور بغل گیر ہو۔ زریر کی طرف سے اس عزت و احترام کو دیکھ کر گشتاسپ بہت خوش ہوا۔ دونوں میں بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں آخر زریر نے گشتاسپ کو واپس چلنے پر راضی کر لیا۔ دونوں اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایران کو لوٹ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لہراسپ نے زریر کو اس کی خدمت گذاری کے صلے میں بہت کچھ انعام و اکرام دیا لیکن خود گشتاسپ کی طرف لہراسپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی۔ لہراسپ ان کا توسی شہزادوں کی خاطر مدارات

پہلے ہی کی طرح شدّ و مدّ سے کرتا رہا۔ بادشاہ کا یہ رویہ دیکھ کر گشتاسپ بہت مایوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ اس دربار میں جب کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے اس کو چھوڑنا ہی بہتر ہے لہٰذا ایک دن وہ چپکے سے روم کی طرف بھاگ نکلا۔ روم پہنچ کر سب سے پہلے قیصر روم کے دربار میں حاضر ہوا کہ شاید دفتر میں کام کرنے والے منشیوں میں اس کی بھرتی ہو جائے اور اس کی آسانی سے گزر اوقات ہو سکے۔ وہاں اسے کسی نے نہ پوچھا۔ پھر وہ داروغہ اصطبل کے پاس گیا کہ شاید گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے والوں میں کوئی جگہ خالی ہو مگر وہاں بھی اسے مایوسی ہوئی۔ آخر کار مجبور ہو کر اس نے بوراب نام کے ایک لوہار کے یہاں نوکری کر لی۔ ابھی اسے کام کرتے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن اس نے سندان پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ سندان اور ہتھوڑا دونوں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بوراب اس کی طاقت دیکھ کر گھبرا گیا اور اسے یہ فکر ہوئی کہ یہ تو اس طرح ایک ایک کرکے سارا سامان ہی توڑ ڈالے گا۔ اس نے گشتاسپ سے بڑے نرم لہجہ میں کہا کہ، بھائی میں اور آپ ایک ساتھ کام نہیں کر سکتے بہتر ہے آپ کہیں اور کام تلاش کریں۔ جب گشتاسپ کی روزی روٹی کا کوئی سہارا نہ رہا تو اس نے سوچا کہ اب یہ شہر ہی چھوڑ دینا چاہیے یہاں تو کوئی قدر کرتا نہیں اب کہیں اور قسمت آزمائیں۔ یہ سوچتے سوچتے وہ نزدیک کے ایک گاؤں میں جا پہنچا جہاں اس کی ملاقات ایک زمیندار سے ہوئی یہ زمیندار فریدوں کے خاندان سے تھا۔ زمیندار گشتاسپ کو اپنے گھر لے گیا وہاں اس نے اس کی خوب خاطر و مدارات کی۔

ان دنوں روم میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب قیصر روم اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ سوئمبر کی طرح کا ایک بہت بڑا جلسہ کرتا اس میں ملک

کے تمام بڑے بڑے لوگ جمع ہوتے پھر اس محفل میں شہزادی بھی تشریف لائیں اور حاضرین میں سے کسی ایک کو اپنا شوہر چن لیتی اتفاق ایسا ہوا کہ اس رسم کے مطابق قیصر روم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے ایک بڑا جلسہ کیا ادھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کتایوں نے ایک دن گشتاسپ کو خواب میں دیکھا اور دل وجان سے اس پر فریفتہ ہو گئی اب جب محفل آراستہ ہوئی اور تمام بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے تو کتایوں نے بڑی مایوسی سے دیکھا کہ گشتاسپ کی شکل وصورت والا کوئی شخص بھی محفل میں نہیں ہے۔ نیز اس نے شوہر کا انتخاب کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مجبوراً قیصر روم کو وہ محفل برخاست کرنی پڑی۔
کچھ دنوں بعد قیصر روم نے پھر اپنی بیٹی کے لیے سوئمبر کا اہتمام کیا اور اس دفعہ اس بات کا خیال رکھا کہ ملک کا کوئی بھی قابلِ ذکر شخص نہ چھوٹنے پائے یہاں تک کہ اس نے یہ بھی اعلان کروا دیا کہ اس محفل میں ہر خاص و عام کو آنے کی اجازت ہے۔ زمین دار نے جب یہ اعلان سنا تو گشتاسپ سے کہا کہ تم اس قدر خوبصورت اور طاقت ور جوان ہو تم بھی جا کر قسمت آزمائی کیوں نہیں کرتے گشتاسپ پہلے تو نہ مانا لیکن بعد میں زمیندار کے اصرار پر راضی ہو گیا اور سرا کے مجمع میں وہ بھی شریک محفل ہوا۔ کچھ دیر بعد کتایوں محفل میں آئی۔ اس کی نگاہوں نے پھر وہی چہرہ ڈھونڈنا شروع کیا جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی نگاہ گشتاسپ پر جا پڑی اسے یہ شکل تو وہی تھی جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے فوراً گشتاسپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ قیصر روم کو یہ بات پسند تو نہ آئی کہ شہزادی کا بیاہ ایک معمولی شخص سے ہو لیکن کرتا کیا وہ اپنی رسم کے آگے بے بس تھا اس سے بھرے بے دل سے کتایوں کو گشتاسپ کے ساتھ رخصت کر دیا اور جہیز میں اسے کوئی چیز

نہ دی۔ کتایوں اور گشتاسپ اسی زمیندار کے گھر میں رہنے لگے۔ زمیندار کو گشتاسپ سے اتنی محبت تھی کہ اس نے دونوں کے آرام کا سارا سامان مہیا کر دیا تھا۔

گشتاسپ کو کوئی کام تو تھا نہیں۔ وہ اپنا سارا وقت شکار میں گذارتا اور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا۔ ایک دن اس کی ملاقات جنگل میں ہیشوی نامی ایک شکاری سے ہوئی دونوں چند ملاقاتوں میں گہرے دوست ہو گئے

قیصر روم کتایوں کے رویہ اور انتخاب سے پہلے ہی ناراض تھا۔ اس لیے یہ شرط لگا دی کہ میں اپنی دوسری بیٹی کی شادی اس شخص سے کروں گا جو۔ "فاسقوں" کے جنگلی بھیڑیے کو مار ڈالے۔ دراصل بات یہ تھی کہ شہر سے کچھ دور پر "فاسقوں" نام کا ایک بہت گھنا اور ڈراؤنا تھا۔ وہاں ایک نہایت ہی خونخوار بھیڑیا رہتا تھا اور اب تک سیکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ بڑے بڑے بہادروں کی ہمت نہ تھی کہ اس خونخوار بھیڑیے کا مقابلہ کر سکیں۔ جب یہ خبر عام ہوئی تو میرین نام کا ایک نوجوان جو شہزادی پر عاشق تھا۔ اس نے سوچا کہ اپنے دل کی مراد پانے کا بس یہی موقع ہے۔ اس نے فاسقون کے بھیڑیے کو مارنے کے ہزار جتن کیے لیکن کامیاب نہ ہوا ابھی وہ کوشش میں لگا ہی ہوا تھا کہ ایک نجومی نے اسے بتایا کہ ایک اجنبی نوجوان جو ایران سے روم آئے گا اور قیصر روم کا داماد بھی بنے گا۔ اس کی مدد سے تم اپنے اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہو۔ اب میرین نے اس نوجوان ایران کی تلاش شروع کر دی بالآخر وہ ہیشوئی کی مدد سے گشتاسپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا گشتاسپ کو اس کے حال پر رحم آیا۔ اس نے میرین سے وعدہ کر لیا کہ میں تمہارے ساتھ چل کر بھیڑیے کا کام تمام کر دوں گا

صبح کو ہتھیار سے آراستہ ہو کر گشتاسپ اور میرین بھیڑیے کی تلاش میں نکلے ان کو معلوم ہوا کہ بھیڑیے نے رات میں دو آدمیوں کو خون کر دیا ہے اور اس وقت

کہیں دور جا کر چھپ گیا ہے۔ گشتاسپ نے میرین کو تو جنگل کے باہر چھوڑا اور خود پاپیادہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ بھیڑیے کے پاؤں کے نشانات دیکھتا دیکھتا وہ کئی گھنٹے میں اس مقام تک پہنچا جہاں بھیڑیا گہری نیند سو رہا تھا اس کی تھوتنی اور پنجے تازہ خون سے لال تھے۔ گشتاسپ کی آہٹ پا کر بھیڑیا جاگ گیا اور اپنے بڑے بڑے دانت نکال کر اس پر لپکا۔ گشتاسپ اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا اور بھیڑیے کے نزدیک آتے آتے اس نے تلوار کا ایسا نپا تلا ہاتھ مارا کہ بھیڑیا گردن سے لے کر پیٹ تک زخمی ہو گیا۔ بھیڑیا پھر بھی نہ رکا اور غراتا ہوا دوبارہ حملہ پر آمادہ ہوا۔ لیکن اس بار گشتاسپ کی تلوار نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے اور اسے میرین کے حوالے کر دیا۔ اور کہا کہ یہ ہے تمہاری شادی کا سامان۔ میرین مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا اور خوش ہو کر اس نے گشتاسپ کو سینے سے لگایا اور اسے شکرانے کے طور پر کئی قیمتی تحفے دیے لیکن گشتاسپ نے سوائے گھوڑے اور تلوار کے کچھ بھی نہ لیا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ دوستی میں یہ تکلفات مناسب نہیں ہیں اس کے بعد میرین مرے ہوئے بھیڑیے کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے قدموں پر ڈال دیا۔ اب بادشاہ بھی کیا کرتا۔ شرط پوری ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کو میرین سے بیاہ دیا۔

قیصر روم کی ایک بیٹی اور تھی اور اہرن اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اہرن ملک کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ لیکن بادشاہ نے سوچا کہ جب دوسری بیٹی کو ایک بہادر کے ساتھ بیاہا ہے تو تیسری کے لیے بھی کوئی شرط مقرر کرنا چاہیے لہذا اس نے یہ شرط لگائی کہ کوہ سقیلا میں جو اژدہا رہتا ہے، اس کو جو شخص مارے گا میں اپنی بیٹی کا بیاہ اسی سے کروں گا۔ اہرن کو جب اس شرط کی خبر ملی تو وہ بڑا گھبرایا کیونکہ اژدہا بہت ہی خوفناک اور خطرناک تھا اور کسی کو بھی اس کا

مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی اس نے میرین سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ میرین نے اسے اطمینان دلایا کہ تم گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی نہ کوئی راہ نکالوں گا۔ میرین نے سوچا کہ کیوں نہ گشتاسپ کے ذریعہ اہرن کا ہی کام نکلوا لیا جائے لہذا میرین، تحفوں کو لے کر گشتاسپ کے پاس گیا اور اس کو سب حال سنایا اور کہا کہ "بھائی! تم نے میری اتنی بڑی مشکل حل کرکے میری مراد پوری کی اب میرے دوست اہرن پر بھی یہی احسان کردو ہم سب تمہیں دعائیں دیں گے اور زندگی بھر تمہارے شکرگذار رہیں گے۔ گشتاسپ نے کہا، "ٹھیک ہے تمہاری بیوی میری بیوی کی بہن ہے اور وہ لڑکی جس سے اہرن شادی کرنا چاہتا ہے ہم دونوں کی بیویوں کی بہن ہے میں ان کی خاطر یہ کام کردوں گا"

دوسرے دن گشتاسپ اژدہے کو مارنے کے لیے کوہ سقیلا کو چل پڑا۔ کئی طرح کی مشکلیں جھیلنے کے بعد وہ پہاڑ کے اس غار تک پہنچ سکا جس میں اژدہا رہتا تھا۔ دور دور تک ان جانوروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں جو اس اژدہے کا شکار ہو چکے تھے۔ لیکن گشتاسپ بالکل نہ ڈرا اور تلوار نکال کر ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی اور اژدہے نے غار سے سر نکالا کہ جنگل میں جاکر کچھ شکار کرے تو گشتاسپ جھپٹ کر سامنے آگیا اور پھر اس نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اژدہے کا سر تن سے الگ ہو گیا۔ ساری پہاڑی اژدہے کے خون سے لال ہو گئی۔

اژدہے کا کام تمام کرتے ہی گشتاسپ اندھیری رات میں اپنے گھر لوٹ آیا۔ صبح کو اس نے میرین کو بلا کر کہا کہ اہرن کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اژدہے کی لاش کو اٹھوا کر بادشاہ کے سامنے پیش کردو۔ اژدہے کے مارے جانے کی خبر سن کر اہرن کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ اژدہے کی لاش کو ایک گاڑی

پر لاد کر قیصر روم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کی شرط پوری ہو گئی اب تو اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیجیے۔ ظاہر ہے بادشاہ کو ہی کوئی چارہ نہ تھا اس نے اپنی بیٹی اہرن سے بیاہ دی۔

کتایوں اور گشتاسپ دربار سے دور اسی طرح اس گاؤں میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن میرین اور اہرن بڑے ٹھاٹھ سے بادشاہ کے محل میں زندگی گذارنے لگے۔ انہیں کسی چیز کی کمی نہ تھی ہر طرف آرام ہی آرام تھا۔

ایک دن کتایوں نے گشتاسپ سے کہا کہ ہمیں بھی اپنے گھر چلنا چاہیے۔ بادشاہ سلامت آخر ہمارے باپ ہیں شاید اتنے دن کے بعد ان کا غصہ اتر گیا ہو گشتاسپ نے جواب دیا کہ مجھے تو امید نہیں ہے بلکہ اس کا خطرہ زیادہ ہے کہ وہ مجھ کو دیکھ کر اور بھی برافروختہ ہو جائیں گے۔ میرا دل تو نہیں چاہتا لیکن اگر تمہاری ضد ہے تو یہ بھی سہی دونوں تیار ہو کر اور کچھ تحفے تحایف ساتھ لے کر شہر کی طرف چلے جب یہ لوگ شاہی دربار میں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ قیصر روم محل کے سامنے میدان میں چوگان کھیل رہے تھے۔ یہ لوگ بھی وہیں پہنچے۔

گشتاسپ کو دیکھ کر کہ وہ اچھے ہاتھ پاؤں کا جوان ہے داروغہ چوگان نے اسے بھی میدان میں آنے کی دعوت دی۔ گشتاسپ نے اتنی اچھی طرح کھیل کھیلا اور اتنی مہارت اور صفائی دکھلائی کہ خود بادشاہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور چوگان بازوں کو بڑی شرمندگی ہوئی کہ ایک معمولی شخص نے ان کو نیچا دکھا دیا۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے انہوں نے گشتاسپ سے کہا کہ آؤ اب تیراندازی کا مقابلہ ہو جائے دیکھیں تم اس میں کیا جوہر دکھاتے ہو۔ لیکن گشتاسپ کا پلہ یہاں بھی سب پر بھاری رہا۔

قیصر روم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اس نے فوراً گشتاسپ کو اپنے

سامنے طلب کیا اور بے حد عزت و احترام کے ساتھ اسے اپنے نزدیک جگہ دی پھر اس سے اس کا نام و پتہ پوچھا۔ گشتاسپ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ میں آپ کی بڑی بیٹی کتایوں کا شوہر ہوں اور میرا نام فرخزاد ہے۔ تب بادشاہ کو احساس ہوا کہ اس نے گشتاسپ اور کتایوں کے ساتھ بڑی ناانصافی کی کہ ان کو حقیر سمجھ کر محل سے نکال دیا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ گشتاسپ کی صلاحیتوں کا امتحان لیتا اور پھر اس کے رتبے کے مطابق اس سے سلوک کرتا اس نے کتایوں کو بلا کر گلے لگایا اور کہا کہ بیٹی تم نے بہت اچھا شوہر چنا لیکن یہ میری سمجھ کا پھیر تھا جو اس نے اس کی قدر نہ کی کیا تم نے کبھی اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے کہاں کا رہنے والا ہے۔
کتایوں نے جواب دیا اباجان جب بھی میں نے پوچھا تو وہ یہی کہہ کر ٹال گئے کہ میرا نام فرخ زاد ہے اس کے آگے وہ کچھ بتاتے ہی نہیں۔ لیکن ان کے چہرے بشرے سے اور ان کے عادات و اطوار اور ان کی بہادری دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

گشتاسپ کے ان کارناموں اور بہادری کو دیکھ کر قیصر روم نے اس کو اپنے پاس طلب کیا اور کہا کہ آج سے تم لوگ ہمارے ساتھ محل ہی میں رہو گے اور یہ فرمان جاری کر دیا کہ محل کے تمام بڑے چھوٹے عہدے داروں پر آج سے فرخ زاد کا احترام لازمی ہے۔ گشتاسپ نے جب یہ دیکھا کہ قیصر روم اپنے کیے پر شرمندہ ہے تو اس نے بھی پچھلی باتیں بھلا دیں اور اپنے خسر کے ساتھ محل میں رہنے لگا۔

اس کے بعد گشتاسپ کے ہاتھوں کچھ ایسے کارنامے انجام پائے اور اس نے کچھ ایسی جنگیں فتح کیں کہ قیصر روم پر یہ راز فاش ہو گیا کہ فرخ زاد نہیں بلکہ بادشاہ ایران کا بیٹا گشتاسپ ہے۔

اس راز کے فاش ہو جانے کے بعد گشتاسپ نے روم میں اور زیادہ ٹھہرنا

مناسب نہ سمجھا۔ اس نے قیصر سے اجازت مانگی کہ اب وہ ایران واپس جانا چاہتا ہے۔ قیصر کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے اس ہیرے کو جسے اس نے پہلے معمولی پتھر سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا دوبارہ ہاتھ آنے کے بعد اتنی جلدی چھوڑ دے لیکن گشتاسپ کو جب بہت زیادہ مایل دیکھا تو اسے روکنا بھی نہ چاہا۔ الغرض کچھ دنوں بعد گشتاسپ مع کتایوں کے ایران واپس لوٹ آیا۔ لہراسپ نے اپنے بیٹے اور بہو کا شاندار استقبال کیا۔ اور یہ کہہ کر کہ میں نے تمہیں کافی رنج پہنچایا ہے اب میں تمہیں اور زیادہ تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ وہ سارا راج پاٹھ گشتاسپ کو سونپ کر خود بلخ چلا گیا اور زندگی کے باقی دن وہیں عبادت میں گذار دیے۔

اسفندیار کی موت

ایران کے بادشاہ گشتاسپ کا بہادر بیٹا اسفندیار جب توران کی جنگ جیت کر اور اپنی بہنوں کو تورانیوں کی قید سے چھڑا کر واپس لا چکا تو اس نے اپنی ماں کتایوں سے کہا کہ ابا جان کو چاہیے کہ تخت و تاج میرے حوالے کر دیں جیسا کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا ورنہ میں زبردستی تخت پر بیٹھ جاؤں گا۔ کتایوں نے کہا "بیٹا! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے" اسفندیار کو اور غصہ آگیا۔ اس نے کہا: میں نے بڑی غلطی کی جو آپ کو بتا دیا کہ میں زبردستی تخت و تاج چھین لوں گا۔ مجھے چاہیے تھا کہ میں چپ چاپ سب کچھ کر گذرتا پھر آپ میرا کیا کر لیتیں کتایوں نے کہا۔ جو ہوا سو ہوا لیکن اب تم ان باتوں کو دل سے نکال دو لیکن اسفندیار کی آزردگی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس بات کی خبر گشتاسپ تک بھی پہنچی۔ گشتاسپ نے یہ خبر سنتے ہی اپنے درباری نجومیوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ "اب کیا ہونے والا ہے اور اس مشکل کا کیا حل ہے" شاہی منجم گمراسپ نے زائچہ کھینچا اور حساب کر کے بتایا کہ "عالی جاہ ہمیں تو یہی لگتا ہے کہ اسفندیار کی موت رستم کے ہاتھ سے لکھی ہے" اگلے دن جب گشتاسپ تخت پر جلوہ افروز ہوا اس کے سبھی درباری وہاں موجود تھے تو اسفندیار نے بھرے دربار میں آ کر گشتاسپ کو سارے پرانے وعدے یاد دلائے۔ اور یہ کہا کہ اگر میں نہ ہوتا تو آپ کی فوج ارجاسپ کی سپاہ کے سامنے تھوڑی دیر بھی ٹھہر نہ پاتی گشتاسپ نے

جواب دیاکہ تمہیں اپنی بہادری پر بے جا غرور ہے۔ ابھی تو رستم سے مقابلہ باقی ہے۔ پہلے تم زابلستان جاؤ اور رستم کو گرفتار کر لاؤ۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ رستم ہمارا باجگذار ہونے کے باوجود ایک عرصے سے ہمارے سلام کو حاضر نہیں ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے دل میں بغاوت کا کھوٹ آگیا ہے۔ رستم کو مغلوب کیے ہوئے بغیر تم چین سے حکومت نہیں کر سکتے۔ تم رستم پر قابو پا لو تو پھر یہ سارا راج پاٹ میں تمہیں دے دوں گا۔" اسفندیار نے پہلے تو انکار کیا لیکن وہ گشتاسپ کی چالوں کو نہ سمجھ سکا۔ اور اس کے کہنے سننے اور سمجھانے بجھانے سے بالآخر راضی ہو گیا بلکہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ "مجھے فوج کی بھی ضرورت نہیں میں تنہا جاؤنگا اگر موت مقدر میں لکھی ہے تو وہ ضرور آئے گی فوج کیا دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں بچا سکتی اور اگر موت نہیں لکھی تو کوئی نہیں مار سکتا۔ اور اگر رستم کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے تو اسے بھی کوئی نہیں بچا سکتا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے محل میں آیا اور چلنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جب اسفندیار کی ماں کو خبر ملی کہ اسفندیار تن تنہا رستم سے مقابلہ کرنے جا رہا ہے تو وہ سوار ہو کر گھبرائی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ "خدا کے لیے ایسا خطرہ مت مول لو، تم رستم کو نہیں جانتے وہ تم پر غالب آجائے گا اور مجھ سے تمہاری جوان موت کا صدمہ نہ برداشت کیا جائے گا۔" لیکن اسفندیار نے ماں کی ایک نہ سنی اس کو تو ایران کی بادشاہت حاصل کرنے کی دھن تھی۔ اس کے علاوہ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ میں روئیں تن ہوں اور اپنی طاقت کے پورے جوش میں ہوں۔ رستم بوڑھا ہو چکا ہے۔ میرا کیا کرے گا اس نے ماں سے کہا "آپ گھبراتی کیوں ہیں میں ابھی کچھ ہی دن میں رستم کو باندھ کر لاؤں گا اور آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔" جب کتایوں نے دیکھا کہ اسفندیار کسی طرح بھی اس کی بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے تو اس نے کہا کہ "اچھا اگر جا بھی رہے ہو تو اکیلے

مت جاؤ اور اپنے ننھے ننھے بچوں کو یہیں چھوڑتے جاؤ۔ خدا نہ کرے کہ ان پر کسی طرح کی آنچ آئے" اسفندیار نے جواب دیا کہ" ان کا جانا مناسب ہے اسی طرح انہیں بھی جنگ کا تجربہ ہوگا" غرض کہ اسفندیار نے اپنی ماں کی کوئی بات نہ مانی اور سورج نکلنے سے پہلے زابلستان کے لیے روانہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو چھوٹے بچوں اور چند خادموں کے سوا کوئی نہ تھا۔

راستے میں ایک دوراہے پر چلتے چلتے اسفندیار کا ہاتھی ٹھٹھک گیا جب وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ سب سے آگے جو اونٹ ہے وہ سو گیا ہے اور اسے اٹھانے کے لیے ساربان کی ساری کوششیں ناکام ہوگئی ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی اسفندیار کا چہرہ زرد پڑگیا اور اس نے سوچا کہ اس طرح سفر میں اونٹ کا بیٹھ جانا بدشگونی ہے۔ لیکن اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سنبھالا کہ جو بھی ہوتا ہے وہ خدا کی جانب سے ہوتا ہے اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے بہمن کو اپنا ایلچی بنا کر رستم کے پاس روانہ کیا اور کہلایا کہ" کیا وجہ ہے کہ تم بادشاہ دربار کو بالکل بھول گئے ہو۔ یہ بھی بھول گئے کہ تمہارے پاس یہ جاگیر یہ حکومت یہ خزانے یہ فوج جو کچھ بھی ہے ہمارے ہی اجداد و بزرگوں کی مرحمت کی ہوئی ہے۔ تم نے شاہ ایران گشتاسپ کو ایک نہ تو بندگی نامہ لکھا اور نہ انہیں سلام کرنے کو حاضر ہوئے بادشاہ کو تمہاری یہ لاپرواہی بہت ناگوار گذری ہے اور اب انہوں نے حکم دیا ہے کہ تمہیں زنجیروں میں باندھ کر ان کی خدمت میں حاضر کیا جائے

بہمن جب زابلستان کے قریب پہنچا تو سرحد کے محافظوں نے فوراً زال کے پاس یہ خبر بھیجی کہ ایران کی طرف سے کوئی پہلوان ملک میں داخل ہوا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی زال نے فوراً گرز و کمند اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرحد پر پہنچا۔ جب اس کی بہمن سے ملاقات ہوئی تو بہمن نے کہا کہ" میں رستم کے لیے

اپنے باپ اسفندیار کا ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ زال نے بہمن کو عزت
اور احترام کے ساتھ محل میں اتارا اور کہا کہ رستم ابھی شکار گاہ میں ہے
اس کے واپس آتے ہی میں آپ کی اور اس کی ملاقات کراؤں گا۔ لیکن بہمن نے یہ کہا
کہ ابا جان کا پیغام اتنا ضروری ہے کہ مجھے فوراً رستم کے پاس پہنچ جانا چاہیے تاکہ
پیغام رسانی میں کوئی دیر نہ ہو۔ لہٰذا زال نے ایک پہلوان کو بہمن کے ہمراہ
کر دیا۔ اور دونوں بہت تیزی سے شکار گاہ تک پہنچ گئے۔ زال کا پہلوان تو
اندر نہ گیا لیکن بہمن جنگل میں دور تک تلاش کرنے کے بعد اس تک پہنچنے میں
کامیاب ہو گیا۔ اس نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک بہت
ہی قوی ہیکل شخص درخت کے نیچے گورخر کے کباب لگا رہا ہے۔ چاروں طرف
شکار کا سامان اور جنگلی اسلحے بکھرے ہوئے ہیں۔ رستم کا قد و قامت دیکھ کر بہمن
اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اس نے دور ہی رہنے میں عافیت سمجھی۔ وہ اس فکر میں
پڑ گیا کہ ابا جان تو رستم کے سامنے چڑیا کا بچہ معلوم ہوتے ہیں اگر جنگ کی نوبت
آئی تو رستم ان کو پلک جھپکنے میں مار دے گا۔ بہمن نے سوچا کہ کیوں نہ رستم کو بے خبری
میں مار دیا جائے یا کم از کم زخمی کر دیا جائے یہ سوچ کر بہمن نے ایک بھاری پتھر
کو تاک کر پہاڑی کے نیچے اس طرح دھکا دیا کہ وہ سیدھا رستم پر جا گرے۔ اتفاقاً
اس وقت رستم کا بھائی زوارہ کچھ دور پر شکار کھیل رہا تھا زوارہ کی نگاہ پہاڑی
کی طرف اٹھ گئی اور اس نے اس پچاس ساٹھ من کے پتھر کو لڑھک کر رستم کی طرف
آتا دیکھ لیا اور وہیں سے پکارنا شروع کر دیا کہ رستم ہوشیار ہو جاؤ ایک پتھر تمہاری
طرف آرہا ہے۔ زوارہ کے پکارنے پر رستم چونک اٹھا اور گھبرا گیا کہ اس سے
کیسے بچا جائے یہ تو بالکل نزدیک آچکا ہے بھاگ کے کہیں جا بھی نہیں سکتے
جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے جھپٹ کر اپنا پاؤں آگے کر دیا اور ایڑی

کا زور دے کر پتھر کو وہیں کا وہیں روک لیا۔ بہمن رستم کی اس غیر معمولی طاقت اور دماغی پھرتی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اس نے سوچا کہ ایسے شخص کو جنگ کی دعوت دے کر ابا جان نے بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن بہمن کرتا بھی کیا باپ کا پیغام تو اسے رستم تک پہنچانا ہی تھا۔ وہ پہاڑی سے آہستہ آہستہ اتر کر رستم کے پاس آیا اور بولا کہ میں اسفند یار کا بیٹا اور قاصد بہمن ہوں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے رستم بہمن سے خندہ پیشانی سے ملا اور دیر تک ایران کے بادشاہ اور دوسرے شاہزادوں اور امیروں کی خیریت معلوم کرتا رہا پھر اس نے کہا کہ۔ فرمائیے آپ اسفندیار کی طرف سے کیا پیغام لائے ہیں؟ بہمن نے جواب دیا کہ میرے والد بزرگوار اسفند یار ہلمند کے کنارے خیمہ زن ہیں اور انہوں نے آپ کو طلب کیا ہے آپ فوراً میرے ساتھ چلئے اگر دیر ہو گئی تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ رستم نے پوچھا کیوں ناراضگی کی کیا بات ہے اور اتنی جلدی کیا ہے آرام کیجیے اطمینان سے چلیں گے اب مجبور ہو کر بہمن نے ساری بات رستم کو بتا دی۔ اسفند یار کی باتیں سن کر رستم آگ بگولہ ہو گیا اور کڑک کر بولا کہ اسفندیار سے کہہ دو کہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھے میں نے ایران پر جو احسانات کیے ہیں انہیں اتنی جلدی بھولنا نہیں چاہیے اگر میں نہ ہوتا تو ایران کی سلطنت کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ میں کسی قیمت پر بھی اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا کہ مجھے گرفتار کر کے ایران لے جایا جائے۔ اسفند یار کو چاہیے کہ وہ خود زابلستان تشریف لائیں میں تمام شاہی آداب کے ساتھ ان کا استقبال کروں گا اور پھر جب میرا دل چاہے گا میں اسفندیار کے ساتھ ایران جاؤں گا۔ بہمن رستم کا یہ پیغام لے کر وہاں سے چلا آیا۔ اس کے آنے کے بعد رستم نے زوارہ اور فرامرز کو طلب کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ کہا کہ بہتر ہے ہم اپنے بزرگوں زال اور

رودابہ سے بھی اس کا ذکر کر دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ باہمی مشورے سے یہی طے پایا کہ اسفندیار ایک اچھا اور بہادر انسان ہے اس کے پاس جانے میں کوئی خطرہ اور حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد رستم رخش پر سوار ہو کر ہلمند کی جانب چل پڑا۔

رستم ابھی دریائے ہلمند کے پاس نہ پہنچا تھا کہ بہمن نے اسفندیار کو وہ سب کہہ سنا دیا لیکن اس کے پہلے کہ اسفندیار کوئی فیصلہ کرتا اسے خبر ملی کہ رستم بھی پیچھے پیچھے تن تنہا بلا کسی جنگی ہتھیار کے چلا آ رہا ہے۔ اسفندیار یہ خبر سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا اور پھر وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر ہلمند کی طرف رستم سے ملنے کے لیے چل پڑا۔ تھوڑی دور پر دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں بغل گیر ہوئے۔ رستم نے اسفندیار سے درخواست کی کہ "زابلستان تشریف لے چلئے" اسفندیار نے جواب دیا کہ "مجھے خود آپ کے گھر مہمان بن کر مسرت ہوتی اور یہ بات میرے لیے باعث افتخار بھی ہوتی لیکن میں بادشاہ کے حکم کے آگے مجبور ہوں۔ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں آپ کو گرفتار کر کے فوراً دربار میں حاضر کروں۔ امید ہے آپ میری مجبوری سمجھ کر مجھے معاف فرمائیں گے" رستم نے جواب دیا کہ "میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن یہ توہین میں نہیں سہہ سکتا" اس کے جواب میں اسفندیار نے کہا کہ "اے پہلوان جو کچھ آپ نے کہا مجھے قبول ہے لیکن آپ پشوتن سے پوچھ سکتے ہیں کہ بادشاہ کا کیا حکم ہے۔ آپ نے مجھے اپنے گھر بلایا ہے مجھے انکار کرتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ مگر میں انکار اس لیے کر رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ جنگ کی نوبت آگئی تو مجھے دوران جنگ ہر وقت اس بات کا خیال رہے گا کہ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ آیئے پہلے ہم لوگ شراب سے کچھ تازہ دم ہو لیں پھر بعد میں سوچیں گے" رستم نے اسفندیار کی بات مان لی۔

شراب کے دوران اس نے پھر اسفند یار سے اصرار کیا کہ آپ میرے گھر ضرور آیئے اور جب شراب کی محفل برخاست ہوئی تو رستم نے اسفند یار سے رخصت لی۔ چلتے چلتے اس نے پھر اسفند یار سے کہا کہ میں آپ کا کھانے پر انتظار کروں گا۔ وہاں سے چل کر رستم سیدھا اپنے باپ زال کے پاس پہنچا اور اس کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ادھر جب رستم چلا آیا تو اسفند یار نے پشوتن سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ پشوتن نے کہا کہ۔ آپ کو زابلستان نہ جانا چاہیے۔ اسفند یار نے پشوتن کی بات مان لی اور نہیں گیا۔ ادھر رستم کھانے پر انتظار کرتا رہا اور جب کافی دیر ہو گئی اور اسفند یار وہاں نہ پہنچا تو رستم اسفند یار کے پاس پھر گیا۔ اس نے جا کر اسفند یار سے کہا کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ آپ جیسے شاہی خاندان کے فرد کو زیب نہیں دیتا۔ آخر میں بھی کوئی بے عزت انسان نہیں ہوں۔ دنیا میری بہادری اور کارگذاری کے گن گاتی ہے۔ آپ یہ کیوں بھول گئے کہ ایرانی بادشاہوں کی آبرو کو سلامت رکھنے والی میری ہی ذات ہے۔ میں تو محبت اور نیک دلی سے معاملہ کو سلجھانا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ جنگ کی نوبت آئے اور جنگ میں آپ جیسا شاہزادہ میرے ہاتھوں مارا جائے۔ جب اسفند یار نے رستم کی یہ باتیں سنیں تو ہنس پڑا اور اس سے کہا کہ "تم میرے نہ آنے پر بدگمان مت ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ خود صبح آکر تم سے معذرت کروں گا۔ اب آپ خود ہی آگئے ہیں تو اچھا ہے چلئے یہیں کھانا کھا لیجئے آخر یہاں اور وہاں میں فرق ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بایاں پہلو خالی کر دیا اور رستم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن رستم نے بائیں جانب بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ جگہ میرے بیٹھنے کی نہیں ہے۔ میں اپنی مناسب جگہ کے علاوہ کہیں اور نہیں

بیٹھوں گا۔ اس پر اسفند یار نے انہیں اپنے تخت کے سامنے ایک سنہری مسند پر بیٹھایا اور شراب لانے کا حکم دیا۔ اسفند یار کا مقصد مہمان نوازی تو تھا نہیں وہ تو کسی طرح رستم کو مشتعل کر کے جنگ کے لیے آمادہ کرنا چاہتا تھا لہذا اس نے باتوں باتوں میں پھر رستم کی شان کے خلاف جملے کہنا شروع کر دیے۔ ان باتوں سے رستم کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے ایک ایک کر کے شاہی خاندان پر اپنے اور اپنے اجداد کے احسانات گنانے شروع کر دیے۔ اس نے اسفند یار سے کہا۔ ابھی تم ناتجربہ کار ہو تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی ایسی باتیں نہیں کرتے بہتر ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دو اور دوستانہ ماحول میں شراب پیو۔ لیکن اسفند یار کا مقصد تو رستم کو چھیڑنا اور اس سے جنگ کرنا تھا۔ اس نے پھر قہقہہ مارا اور بولا تم نے جو یہ ڈینگیں ماری ہیں ان کا کیا مطلب ہے میں بھی شاہی خاندان سے ہوں اور سپہ گری میرا بھی شیوہ ہے۔ میں نے بھی کوئی کم کارنامے انجام نہیں دیے میں نے بھی بڑے بڑے ناموروں کے سر قلم کر دیے ہیں۔ تم نے سنا ہی ہوگا کہ ارجاسپ جیسا بادشاہ میری ہیبت سے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ تمہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جو کچھ تم ہو میرے اجداد کی مہربانیوں کی وجہ سے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اسفند یار نے باتیں چھیڑ چھیڑ کر رستم کو اس طرح غصہ دلایا کہ دونوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ اس وقت تو لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا لیکن یہ طے ہوا کہ صبح کو اوّل وقت دونوں پہلوان مقابلہ کریں گے تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جائے۔

رستم دوسرے دن جنگ کرنے کا اعلان کر کے چلا تو آیا لیکن اس نے سوچ لیا کہ اسفند یار کو مارنے کے بجائے صرف شکست دے دینا کافی ہے

تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رستم نے ایک لڑکے کو مار ڈالا اور ساتھ ہی کسی کو یہ بھی کہنے کا موقع نہ ملے کہ رستم ڈر گیا اور اسفندیار کا غرور بھی کم ہو جائے۔

اگلے دن صبح ہوتے ہی رستم نے اپنا جنگی لباس پہنا اور کمند و نشتر اک زین میں باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ چلتے وقت اس نے زوارہ کو حکم دیا کہ فوج آراستہ کرو اور خود اسفندیار کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ آن واحد میں اس نے دریا ہیرمند کو پار کر لیا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا اسفندیار کے خیمے تک پہنچ گیا۔

اسفندیار نے جب رستم کی آہٹ سنی تو ہنس پڑا اور فوراً رستم کے سامنے آگیا۔ رستم کو اسفندیار پر رحم آرہا تھا اس نے اسفندیار سے پھر درخواست کی کہ "دیکھو لڑنے بھڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ صلح کر لو اور آرام سے میرے مہمان بنو۔ اگر تمہیں خونریزی دیکھنے ہی کا شوق ہے تو میں زابلستانی پہلوانوں کو بلائے لیتا ہوں وہ تمہارے ان چند ساتھیوں یا فوجیوں سے لڑیں گے،" اسفندیار نے اکڑ کر جواب دیا "کیا بے سر پیر کی باتیں کرتے ہو یہ ہم ایرانی بادشاہوں کا شیوہ نہیں ہے کہ ہم تو تاج و تخت لیے مزے سے بیٹھے رہیں اور ہماری قوم کے لوگ میدانوں میں اپنا سر کٹائیں۔ میں ان میں سے نہیں ہوں جو جنگ سے ڈرتے ہوں۔ تم بھی پہلوان ہو اور میں بھی پہلوان ہوں آؤ ہم دونوں خود ہی جنگ کر کے فیصلہ کر لیں کہ کون کس پر بھاری پڑتا ہے" پھر جنگ شروع ہوئی دونوں پہلے نیزوں سے لڑتے رہے جب نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں اٹھا لیں دونوں نے ایک دوسرے پر جم جم کر حملے کیے۔ برابر کی چوٹیں چلتی رہیں یہاں تک کہ تلواروں میں دندانے پڑ گئے۔ یہی حال دونوں کے گرز

کا بھی ہوا کہ ان کے دستے بھی ٹوٹ گئے پھر اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کے کمر بند پکڑ لیے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ جنگ کئی پہروں تک جاری رہی جب کوئی فیصلہ نہ ہوا تو دونوں نے تیر کمان سنبھال لیے۔ اسفندیار کے تیروں میں ہیرے کی نوکیں جڑی ہوئی تھیں اور وہ اس قدر تیز تھیں کہ جو تیر بھی رستم پر پڑتا اس کے بدن کو چھلنی کر دیتا۔ اس طرح رستم اور رخش نے اسفندیار کے آٹھ تیر اپنے جسم پر کھائے رستم ان تیروں کی تاب نہ لا سکا۔ میدان سے ہٹ کر وہ رخش سے اتر پڑا اور ایک پہاڑی پر چڑھ گیا۔ رخش نے جب یہ دیکھا کہ اس کا محبوب سوار اس کی پیٹھ پر نہیں ہے تو وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ رستم کے جسم سے بری طرح خون بہہ رہا تھا اور وہ بالکل نڈھال ہوگیا تھا ادھر زوارہ نے جب رخش کو بے حال اور اس طرح زخمی آتا دیکھا تو گھبرا گیا وہ چیختا ہوا رستم کی تلاش میں آگے بڑھا اس نے دیکھا کہ رستم ایک پہاڑی پر نڈھال پڑا ہوا ہے زوارہ بھی پہاڑی پر چڑھ گیا اس نے رستم کو سنبھالا اور ہمت دلائی کہ اس وقتی شکست سے گھبرانا نہیں چاہیے اس نے رستم کو اپنا گھوڑا دیا اور کہا کہ جاؤ پھر سے تازہ دم ہو کر اسفندیار کے گھمنڈ کو توڑ دو۔ لیکن رستم نے مزید جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "تم فوراً زال کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ان زخموں کو اچھا کرنے کے لیے دوا بھیج دو جس طرح بھی ہو تم رخش کو بچا لو اور اس کی پوری طرح دیکھ بھال کرو۔ اگر خدانخواستہ رخش مر گیا تو میرے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں گے"۔ ادھر اسفندیار نے پھر رستم کو للکارا کہ اب بھی وقت ہے بادشاہ کا حکم مان لو اور اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ رستم نے جواب دیا کہ اب دن ڈھل چکا ہے۔ دن ڈوبنے کے بعد جنگ کی بات نہیں کی جاتی

اب کل دیکھا جائے گا۔

رستم جب اپنے محل کو واپس پہنچا تو زخموں سے چور ہو رہا تھا۔ اس کے گھر والے اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو گئے۔ رستم نے انہیں ڈھارس بندھائی اور ان سے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ہمیں کچھ ہوا نہیں ہے۔ اس نے گھر والوں سے یہ بات تو بنا دی لیکن مناسب یہی سمجھا کہ اپنے باپ زال کو الگ بلا کر ان سے تمام صحیح واقعہ بتا دیے اس نے سوچا ممکن ہے ان کے ذہن میں کچھ اس کا حل ہو۔ اس نے اپنے باپ زال کو سب ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اب مجھ میں سکت نہیں ہے کہ میں مزید اسفندیار کا مقابلہ کروں۔ مجھ سے جو ہو سکتا تھا سو میں نے کر لیا۔ شاید خدا کو میری شکست اور بے آبروہی منظور ہے ۔ زال نے اسے ہمت دلائی اور کہا کہ ابھی کچھ نہیں گیا ہے میں سیمرغ کو بلواتا ہوں وہ کوئی نہ کوئی حل اور فلاح کی راہ ضرور تلاش کرے گا ۔ یہ کہہ کر وہ تین پہلوانوں کو ساتھ لے کر اور ساتھ میں جلتی ہوئی انگیٹھیاں لے کر محل کے پاس کی اونچی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ چوٹی پر پہنچ کر اس نے ریشمی کپڑے میں سے ان تین پروں کو نکالا جو سیمرغ اسے یہ کہہ کر دے گیا تھا کہ جب مجھے بلانا ہو تو ان پروں کو جلتی انگیٹھی پر رکھ دینا، پھر اس نے وہ پر کچھ دعائیں پڑھ کر انگیٹھی میں ڈال دیے تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر بادل چھا گئے اور سیمرغ ایک بہت بڑے پرندے کی شکل میں تیزی سے اڑتا ہوا آیا اور زال کے سامنے پہاڑی پر اتر گیا اور بولا "کہ تم نے مجھے کیوں یاد کیا ہے ۔ زال نے اسے رستم و اسفندیار کے جنگ کی داستان سنائی اور کہا کہ اب مجھے رستم کی جان خطرے میں معلوم ہوتی ہے آپ ہی کچھ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ کل رستم اس دنیا میں نہ ہوگا۔

سیمرغ نے رستم اور رخش کو اپنے پاس طلب کیا پہلے تو اس نے رستم اور رخش کے زخموں پر چونچ لگا کر خون کا بہنا بند کیا اور پھر ایک ایک کر کے آٹھوں تیر نکالے اس کے بعد اپنے پروں کو زخموں پر مل کر سب زخموں کا منہ بند کر دیا۔ اس کے سیمرغ نے رستم کو بتایا کہ اسفندیار تو روئین تن ہے کس نے کہا تھا کہ تم اسفندیار سے لڑنے جاؤ اسفندیار تو خود ہی بادشاہ ہے۔ اس کی بات مان لینے میں کوئی ایسی بے عزتی اور شرم کی بات نہ تھی۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو اسفندیار کو مارے گا وہ خود بھی جلد ہی مر جائے گا۔ خیر اگر تم اسے مارنا بھی چاہتے ہو تو اس کی آنکھ کو نشانہ بناؤ کیونکہ اس کے جسم کا وہی حصہ ایسا ہے جو کانسے کا نہیں ہے۔ پھر سیمرغ نے ایک درخت کی دو شاخہ ٹہنی رستم کو دکھائی اور کہا کہ اس کو کاٹ کر اس کے دونوں سروں پر تیر کے پیکان چڑھا دو۔ لڑائی کے موقع پر اسفندیار کی آنکھ کا نشانہ لے کر یہی دو شاخہ کمان سے چھوڑ دینا۔ دونوں پیکان اس کی آنکھوں کو چیرتے ہوئے اس کے دماغ تک پہنچ جائیں گے اور وہ فوراً مر جائے گا۔ یہ سب باتیں سمجھا کر اور رستم کو کچھ اور نصیحتیں کر کے سیمرغ نے زناٹا مارا اور بادلوں میں گم ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی رستم نے دو شاخہ تیر اسی طرح تیار کیا جس طرح سیمرغ نے ہدایت کی تھی اور خدا کا نام لے کر اسفندیار کے مقابلے کو تیار ہو گیا اسفندیار نے رستم کو دیکھ کر مذاق اڑانے کے انداز میں کہا کیا کل کی چوٹیں بھول گئے ہو نہ آخر سیستانی۔ ہو نہ ہو تم نے زال کی جادوگری سے فائدہ اٹھایا ہے ورنہ یہ زخم اتنی جلدی نہ اچھے ہو پاتے مگر آج تو میں تم کو زندہ نہ چھوڑوں گا نہیں کہ تم زال کے جادو سے پھر اپنے کو اچھا کرا لو۔ جواب میں رستم نے بڑے صبر سے کام لیا اور سیمرغ کے کہنے کے مطابق کسی قسم کے غصے کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اسے سمجھاتا ہی رہا یہاں تک کہ اس نے یہ بھی کہا کہ

اسفندیار تم لڑائی کا خیال چھوڑ دو میں تم کو اس جنگ کے بدلے میں اپنی ساری دولت دے دوں گا لیکن اسفندیار کب سننے والا تھا وہ تو غرور کے نشے میں بدمست تھا۔ اب رستم کے پاس جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ اس نے دو شاخہ کمان پر چڑھا کر دل میں خدا سے معافی مانگی اور اسفندیار کی آنکھ کا نشانہ بنا کر کمان کے چلے کو اپنے کان تک کھینچا اور تیر چھوڑ دیا۔ سیکڑوں میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑتا ہوا تیر جب چلا تو اسفندیار نے بڑی پھرتی سے اسے خالی دینا چاہا۔ لیکن رستم کا نشانہ اتنا سچا تھا کہ دو شاخے کا ایک پیکان اسفندیار کی داہنی آنکھ میں کھپ گیا۔

تیر کا زور اس قدر زبردست تھا کہ اسفندیار گھوڑے سے گر گیا اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

بہمن کو کسی طرح خبر مل گئی کہ اسفندیار سرنگوں پڑا ہوا ہے۔ بہمن بھاگا ہوا پشوتن کے پاس گیا اور بولا "چلو اسفندیار کو میدان سے اٹھالائیں آخر اسے رستم نے مار ہی گرایا۔ جب یہ لوگ سینہ پیٹتے ہوئے میدان پہنچے تو اسفندیار نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ ایسا کاری زخم کھانے کے بعد بھی وہ پوری طرح ہوش میں تھا۔ اس نے ان کو سمجھایا کہ دنیا چند روزہ ہے کسی کے مرنے کا ماتم کرنے سے کیا فائدہ اب فوجوں کو سنبھالو اور ایران واپس جاؤ۔ خدا کو یہی منظور تھا اس کی مشیئت کے آگے بندہ لاچار ہے۔ میں تو اب مر ہی جاؤں گا لیکن مجھے یہ اطمینان ہے کہ میرے حریف نے مجھ پر بہادری سے فتح نہیں پائی بلکہ مجھے مارنے کے لیے سیمرغ کا سہارا لیا ہے۔ اگر چہ میں اپنے حریف کے تیروں سے زخمی ہو کر گر پڑا ہوں اور اب چند لمحوں کا مہمان ہوں لیکن میں کامیاب اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہوں

رستم میں طاقت تھی تو وہ بلا جادو کے سہارے میرا مقابلہ کرتا جادو کی مدد سے
اس نے مجھے مارا تو کیا مارا۔ یہ تو مردانگی کا ثبوت نہ ہوا!"

رستم جو اسفندیار کی باتیں سن رہا تھا۔ تڑپ اٹھا اس کی آنکھوں سے یک بارگی آنسو ابل پڑے وہ بولا اسفندیار جو کچھ بھی ہوا وہ مجبوراً ہوا۔ یہ سن کر اسفندیار نے رستم کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اب تو میں چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ میری زندگی کا سورج ڈھلنے والا ہے مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ جو بھی میرے ساتھ ہوا وہ تقدیر کا کھیل تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ اس میں میرے باپ کی چال بھی شامل ہے تم تو صرف ایک میری موت کا بہانہ بن گئے اور تمہارے ذریعہ اس نے اپنا مقصد پورا کر لیا۔ اب تو میں اس دنیا سے جا رہا ہوں لیکن میری ایک آخری خواہش ہے وہ یہ کہ تم میرے بیٹے بہمن کا ہاتھ پکڑ لو اور بہمن کو اپنے بچوں کی طرح پالنا اب تم اپنا فرض سمجھنا۔ اب تم ہی میرے بجائے اس کے باپ ہو۔ رستم نے اسفندیار سے وعدہ کیا اور کہا کہ میں یہ سب باتیں پوری کروں گا۔

بہمن کو رستم کے حوالے کرنے کے بعد اسفندیار نے پشوتن سے کہا کہ میں تو اس دنیا میں بس چند لمحوں کا مہمان ہوں لیکن میرے مرنے کے بعد تم جب ایران لوٹو تو میری طرف سے میرے باپ سے یہ کہہ دینا کہ مجھے ان سے ایسی امید نہ تھی۔ میں نے انہیں ہمیشہ دشمنوں اور مخالفوں سے نجات دلائی ہے۔ ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ ان کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔ میری ماں سے بھی یہی کہنا کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ اب صبر سے ہی کام لینا بہتر ہے اور اسی طرح میری بہنوں کو بھی تسلی دینا!

ابھی اسفندیار یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اسے موت کی ہچکیاں آنے لگیں

اس نے ایک زور کی سانس لی اور یہ کہہ کر کہ بالآخر گشتاسپ نے میری جان لے ہی لی دم توڑ دیا۔ اس کے بعد رستم نے ایک بہت مضبوط اور محکم تابوت بنوایا۔ اس کو چینی دیبا سے آراستہ کیا اور اس پر مشک و عبیر چھڑکا اور اسفندیار کی لاش کو زر بفت کے کفن میں لپیٹ کر اس تابوت میں رکھ دیا پھر اس نے چالیس اونٹ منگائے اور پھر اس نے تابوت کو رکھا اور بقیہ پر فوجی اور سپاہی بیٹھے۔ پشوتن ان کے آگے آگے تھا اور اس طرح پشوتن اسفندیار کے تابوت اور لاش کو لے کر ایران کی جانب روانہ ہوا۔ جب یہ تابوت ایران پہنچا اور اہل ایران کو یہ پتہ چلا کہ اسفندیار اب اس دنیا میں نہیں ہے تو ہر گھر میں کہرام مچ گیا جو بھی سنتا تھا وہ اس حادثے کو گشتاسپ کی ہی چال سمجھتا تھا لوگوں نے دل کھول کر گشتاسپ کو برا بھلا کہا۔ خود گشتاسپ بھی اپنے کیے پر پشیمان ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ کتایوں اسفندیار کے غم میں تا عمر ماتم پوش رہی۔

اسفندیار کے جنازے کو ایران روانہ کرنے کے بعد رستم نے اسفندیار کی وصیت کے مطابق بہمن کو اپنے ہمراہ لیا اور اپنے بچوں کی طرح اسے پالا اور اسے رزم و بزم کے آداب سکھائے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

انوار سہیلی کی کہانیاں

مصنفہ : رفیعہ شبنم عابدی

صفحات: 183

قیمت : -/23 روپے

بچوں کی کہانیاں

مترجم : تسلیمہ زیدی

صفحات: 113

قیمت : -/25 روپے

بچوں کے لیے کچھ اور مختصر کہانیاں

مترجم : عائشہ خاتون

صفحات: 124

قیمت : -/25 روپے

بدھ کی کہانیاں

مصنف: اجیا گھوش

مترجم : صدیق الرحمٰن قدوائی

صفحات: 80

قیمت : -/65 روپے

تینالی رمن کی کہانیاں

مصنف: سی۔ایل۔ایل جیاپروا

مترجم : نامی انصاری

صفحات: 72

قیمت : -/60 روپے

کم سنی کی کہانیاں

مرتبہ : سدھا سنجیو

مترجم : ظفر احمد نظامی

صفحات: 80

قیمت : -/35 روپے

ISBN 978-81-7587-364-3

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025